سفرِ ہند

از

مولانا محمد اکرم ندوی
اکسفرڈ

آکسفورڈ سے دہلی

۹ جولائی سنہ ۲۰۱۷ کی شام کو آکسفورڈ سے لندن ھیترو ایرپورٹ کے لئے نکلا، اور جٹ ایرویز کی ایک فلائٹ سے ہندوستان کے لئے پا بہ رکاب ہوا، یہ سفر والد محترم مدظلہ کی ملاقات اور وطن کی زیارت کے علاوہ علمی، فکری اور دعوتی اغراض ومقاصد پر مشتمل تھا، اس لئے یہ بات ذہن کے نہان خانہ میں جا گزین تھی کہ واپسی پر اس سفر کی تفصیلات قلمبند کرنی ہے، سفر سے انسان جو کچھ سیکھتا ہے کتابوں سے ممکن نہین، شبلی نے کتنی سچی بات کہی:

"مجکو معلوم ہوا کہ انسان جب تک دنیا کے بڑے بڑے حصے نہ دیکھے انسان نہین ہوسکتا، افسوس ہے ان لوگوں پر جن کی تمام عمر ایک مختصر سی چار دیواری میں بسر ہو جاتی ہے"[1].

خالد ندوی کانپوری:

جہاز کی سیٹ پر بیٹھتے ہی برادر مکرم خالد ندوی کانپوری سے فون پر گفتگو ہوئی، خالد ندوہ کے ساتھی، بہت قریبی دوست، صاحب علم، ہوشمند، صالح، اور نیک طینت انسان ہین، تقریبا تیس سال سے دبی میں امامت وخطابت میں مشغول ہیں، زمانہ

---

۱ مکاتیب شبلی ۱/۱۳

طالبعلمی سے ہر دلعزیز رہے ہیں، ایک دور وہ تہا جب ندوہ کا ہر استاذ، ہر قدیم وجدید طالبعلم، بلکہ ہر مہمان وزائر ان سے واقف تھا، کیونکہ وہی ندوہ کی مسجد میں اذان دیتے، اور عصر کی نماز کے بعد نواب صدر یار جنگ کی علمائے سلف یا اور کوئی کتاب پڑہتے، خالد کی آواز بہت بلند، صاف اور پر کشش ہے، آج بہی وہ آواز اس زمانہ کے طلبہ واساتذہ کے کانوں میں گونجتی ہے اور دلون میں ایک خاص قسم کا گداز پیدا کرتی ہے، خالد کے بعد کسی کے پڑہنے کا انداز کبہی جچا نہیں:

وہ جنت نگاہ یہ فردوس گوش ہے.

الحاصل خالد ان پیارے اور مخلص دوستوں میں سے ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے:

ذوقے چنان ندارد بے دوست زندگانی[۲]،

خالد سے وقتا فوقتا دبی اور لکھنؤ میں ملاقات ہوتی رہتی ہے، گزشتہ سال لکھنؤ میں ان کے دولتکدہ پر برادران گرامی جعفر مسعود حسنی اور محمد احسان ندوی کی معیت میں حاضری ہوئی، اور دیرینہ اور بے تکلف دوستوں کی ایک پر لطف صحبت رہی:

تم سے ملنا خوشی کی بات سہی

۲ترجمہ

تم سے مل کر اداس رہتا ہوں

جہاز کی سیٹ پر نماز:

جہاز کی سیٹ پر ہی مغرب اور عشاء، اور فجر کی نماز پڑھی، عام طور سے میرا معمول جہاز کے پیچھے کے حصہ میں قیام وقعود اور سارے ارکان کے ساتھ نماز ادا کرنے کا رہا ہے، سنہ ۲۰۱۵ میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد کی رفاقت میں بیت المقدس کا سفر ہوا، میں نے حسب معمول پیچھے جا کر نماز ادا کی، اور طلبہ نے میری پیروی شروع کردی، اتنی بڑی تعداد کا وقت کے اندر نماز پڑھنا تقریبا ناممکن تہا، میں نے غور وخوض کے بعد یہ حل نکالا کہ لوگ اپنی اپنی سیٹون پر نماز ادا کرین، اور اس وقت سے اب تک اسی رائے پر عمل پیرا ہوں.

مولانا مسعود عزیزی

دس جولائی کی صبح کو دہلی ایرپورٹ پر پہنچا، میرے ساتھ میرے شاگرد ڈاکٹر شامخ سعید اور ان کے والد محترم تھے، پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس بار دہلی میں قیام کے بجائے دیوبند اور سہارنپور کے لئے روانہ ہوا تہا، اس کے لئے برادر مکرم جناب مولانا مسعود عزیزی صاحب نے ہمرہی وضیافت کی پیشکش کر رکہی تہی، ایرپورٹ پر مولانا عزیزی، ان کے صاحبزادے محمد عبد اللہ عزیزی، اور ان کے مرکز کے مدرس قاری ندیم صاحب کو منتظر پایا، سب سے ملاقات کی، مولانا عزیزی صاحب

اور ان کے ساتھیون کی وجہ سے بہت سہولت حاصل ہوئی اور سفر خوشگوار گزرا.

مولانا مسعود عزیزی ایک فعال اور دردمند عالم با عمل ہین، ضلع سہارنپور کے قصبہ مظفر آباد کے باشندہ ہین، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے قربت رہی ہے، اور اب آپ کے جانشین مخدوم معظم و استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کا اعتماد حاصل ہے، مولانا عزیزی علمی کمالات اور تصنیفی کارنامون کے ساتھ عزیمت، فنائیت، حلم وبردباری، تواضع، ایثار وقربانی کی عظیم صفات سے آراستہ ہین، یہ وہ خوبیان ہین جو انسان کا حقیقی جوہر ہین، اور جو ایک فرد کو امامت وقیادت کے منصب پر سرفراز کرتی ہین، افسوس کہ آج مدارس کے فارغین اور علماء کے اندر ان قدرون کا فقدان ہے، جس کی وجہ سے ان کی صحبت کی تاثیر ختم ہوگئی ہے، اور وہ امامت وقیادت کی اہلیت سے محروم ہوتے جا رہے ہین، یہ دیکھکر شدید صدمہ ہوتا ہے کہ ایک عالم اتنی طویل مدت مدرسوں اور اور قال اللہ اور قال الرسول کی فضاؤن میں گزارنے کے باوجود اسی طرح بے صبری اور غیظ و غضب بلکہ کبر ورعونت کا مظاہرہ کرتا ہے جو جاہلون اور غیر مہذب لوگوں کا شیوہ ہے، اور اس پر شکایت یہ ہے کہ لوگ مولویون کا احترام نہین کرتے، حالانکہ مولویت مدرسہ کی چہار دیواری میں وقت گزارنے کا نام نہین، بلکہ مولویت علمی، عملی اور اخلاقی فضائل سے بہرہ ور ہوے، اور پاکی عقل وخرد سے عبارت ہے:

ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے
جس پاس عصا ہو اسے موسی نہیں کہتے

سفر کے ساتھی اگر متحمل مزاج چست اور نشیط ہوں تو سفر کا حقیقی لطف حاصل ہوتا ہے، اور ہمارا یہ سفر اسی پر لطف ماحول میں ہوا، مولانا عزیزی صاحب نے راستہ میں کھانے کی پیش کش کی، میں نے عرض کیا کہ اب دیوبند پہنچکر کھانا کھائین گے، مولانا نے پھر بھی کچھ کیلے خرید لئے اور ان سے ہماری ضیافت کی.

جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن فیضی

راستہ میں مشفق مکرم وبرادرم معظم جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن فیضی صاحب کا فون آگیا، سعید بھائی استاذ گرامی مولانا محبوب الرحمن ازہری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہین، ندوہ سے عالمیت کرنے کے علاوہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس کیا، اور سالہا سال سعودی عرب میں بسلسلہ ملازمت قیام کرنے کے بعد کناڈا منتقل ہوگئے، جہان ان کی علمی ودعوتی سرگرمیاں آب وتاب سے جاری ہین، سعید بھائی کو قرآن کریم سے خاص شغف ہے، جس کی وجہ سے ان سے عقیدت ومحبت میں اضافہ ہوگیا ہے. یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اس بار ہندوستان کے سفر کو یادگار علمی سفر بنانے میں سعید بھائی کی توجہات کا خاص دخل ہے، مختصر یہ کہ آپ وسعت ظرفی، خردان نوازی، حوصلہ افزائی، اور اصاغر کو اکابر بنانے کے

امام ہین.

نجم الحسن ندوی

سعید بہائی کی زبانی معلوم ہوا کہ ہمارے ساتہی نجم الحسن ندوی مقیم بحرین بہی سعودی عرب میں قیام کے وقت سے یعنی تقریبا تیس سال سے زائد عرصہ سے قرآن کریم کی تلاوت، اور تفکر وتدبر میں مشغول ہیں، اللہ تعالی اس عاجز کو بہی اپنی کتاب کا تعلق نصیب کرے،

مولانا اسلم عزیز

راستہ میں برادر گرامی مولانا اسلم عزیز صاحب کا بہی فون آگیا، جو قطر میں مقیم ہیں، اور وہان کی مجلس ابنائے ندوہ کے صدر ہین، اور بہت ہی فعال، اور نشیط ہین، طبیعت کی نرمی کی وجہ سے مقبول خاص وعام ہین، اس وقت ہندوستان تشریف لائے ہوئے تھے، اور ملاقات کے خواہشمند، انہوں نے توقع ظاہر کی کہ شاید ندوہ میں ملاقات ہوجائے، اسلم عزیز صاحب کی نیکی کی وجہ سے ان سے ایک خاص عقیدت ہے:

نیت نیک تری آئینہ حسن عمل
عمل نیک ترا جلوہ حسن نیت

مولانا خالد حسین ندوی

راستہ میں ایک اور اہم اور غیر معمولی شخصیت سے فون پر بات ہوئی، اور وہ ہین جناب مولانا خالد حسین ندوی صاحب، دہلی کے آبجکٹیو اسٹڈیز میں پروفیسر منظور عالم صاحب کے دست راست، گزشتہ سال ہندوستان آمد کے موقع پر انہوں نے احقر کے لئے اپنے مرکز میں "امام ابن تیمیہ اور علامہ حمید الدین فراہی کے اصول تفسیر کے تقابلی مطالعہ" کے موضوع پر ایک سیمینار کا انعقاد کیا تہا جس میں علماء اور دانشوروں کی بڑی تعداد سے ملاقات کا موقع ملا تہا، خالد صاحب جونیر ہوے کے باوجود ندوہ میں میری معاصر تھے، سرو قد، خوبصورت اور وجیہ شخصیت کے مالک ہیں، انتظامی صلاحیت میں ممتاز، اور بعض کتابوں کے مصنف، ملک کے طول وعرض میں علمی، فکری اور فلاحی سرگرمیون کے لئی سفر کرتے رہتے ہین، اور اس وقت انٹرنیشنل ندوی فورم ان کی کامیاب انتظامی صلاحیتوں کا رہین منت ہے، مجھے محبت ان نفوس سے ہے جو ہمہ وقت نشیط وفعال ہین، اور ہر لمحہ روان ودوان:

اسی طرح یان اہل ہمت ہیں جیتے
کمر بستہ ہین کام پر اپنے اپنے
زمیں سب خدا کی ہے گلزار انہین سے
زمانہ میں ہے گرم بازار انہیں سے

دار العلوم دیوبند

ہماری کار دلی سے سہارنپور جانے والی شاہراہ پر رواں دواں تہی، ہم اس ضلع کے اہم تاریخی مقامات سے گزر رہے تھے، سلطان شہاب الدین غوری کی آمد کے بعد دلی کے قرب وجوار کا یہ وہ علاقہ ہے جہاں مسلمان سب سے پہلے آباد ہوئے، بلکہ یہاں کے بعض شہرون، قصبون اور گاؤں میں مسلم آبادی کی ابتداء دلی سلطنت کے قیام سے زیادہ پرانی ہے، میں نے سنہ ۲۰۱۳م میں اس ضلع کا ایک تفصیلی دورہ کیا تھا، اور یہاں کے علمی، ثقافتی اور روحانی مراکز کی زیارت کی تہی جس کی یادین آج بہی دل ودماغ میں تازہ ہیں:

ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

تقریبا تین بجے ہم لوگ دار العلوم دیوبند کے احاطہ میں داخل ہوئے، یہ وہ ادارہ ہے جو تقریبا ڈیڑھ سو سال سے بر صغیر کی علمی ودینی قیادت کے مسند پر فائز ہے، اس مشہور علمی مرکز کو عظمتین سلام کرتی ہیں، زمیں اس پر نازان ہے، اس کے درو دیوار سے علم و عمل کے چشمے روان ہیں، اس نے جس طرح مسلمانون کے علمی وروحانی ورثہ کا تحفظ کیا ہے بر صغیر کے کسی ادارہ کو یہ امتیاز حاصل نہیں، کچھ لوگ اسے ازھر الھند کہتے ہین، کتنی غلط ہے یہ تعبیر، گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں ازہر کا کون سا عالم و شیخ

ہے جسے مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہم کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکے، آکسفورڈ میں ایک مستشرق ڈیوڈ ڈیمرل میرے رفیق کار تھے، میں جب بہی شاہجہاں کا یہ قول نقل کرتا کہ "جونپور شیراز ما است"[۳] تو وہ کہتے کہ نہیں بلکہ "شیراز جونپور ایران است"، اسی طرح شاید یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ازہر مصر کا دیوبند ہے.

دار العلوم میں داخل ہوتے ہی اس کی شوکت و عظمت کے نقوش ذہن ودماغ میں تازہ ہو گئے، بر صغیر کے طول وعرض میں کوئی جگہ ایسی نہیں جس نے علماء ومشایخ اور اللہ کے نیکبندون کو اتنی بڑی تعداد میں دیکھا ہے، یہ وہ دار العلوم ہے جسے نسبت ہے درس نظامی میں فرنگی محل سے، معقولات میں مدرسہ خیر آباد سے، سنت ومنقولات میں مدرسہ رحیمیہ سے، پہر ان کے واسطے سے مدارس بخارا وسمرقند ونیشاپور سے، پہر بغداد، کوفہ وبصرہ، دمشق، مصر اور قرطبہ سے، یہ دار العلوم متصل النسب ہے دار الہجرۃ مدینۃ النبي صلی اللہ علیہ وسلم سے، اس مرکز علم ودانش کا روحانی سلسلہ شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے ایک طرف

۳ترجمہ

چشتیہ صابریہ کے بزرگوں سے جڑا ہوا ہے، اور دوسری طرف سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید رحمہم اللہ تعالی سے.

غنچوں میں اہتزاز ہے پرواز حسن کی
سینچا تھا کس نے باغ کو بلبل کے خون سے

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

دار العلوم کی جدید عمارتوں سے گزرتے ہوئے ہم جامع الرشید کے پاس پہنچے، جو "تو اس کے جلوے ٹھہر کے دیکھے" کی مصداق ہے، یہ بڑی مسجد ہندوستاں کے امام اعظم عالم ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے موسوم ہے، وہ شخص جس نے اپنے رب کی عبادت، قرآن کریم کی تلاوت، حدیثوں کی تعلیم، سنت کی اشاعت اور بدعتوں کے ازالہ میں اپنی زندگی گزار دی، جو اخلاص وانابت الی اللہ کا پیکر، زھد وقناعت سے متصف، اور سراپا عبودیت تھا، اس کا حق تھا اور دار العلوم کا شرف اسی میں ہے کہ اس ذات گرامی کی طرف اللہ کی عبادت کے گہر کی نسبت ہو، افسوس عورتوں کے بانجھپن پر کہ مدتوں سے عالم اسلام میں کوئی دوسرا رشید احمد نہیں پیدا ہوا، اے سرزمیں دار العلوم تجھ سے لوگ لیڈرون اور ماہرین علوم وفنون کے پیدا کرنے کی توقع کر رہے ہیں، اور تو ان کی آرزوؤں پر پورا اتر رہا ہے، لیکن میری تجھ سے صرف یہ درخواست ہے کہ ایک رشید احمد پیدا کر دے، کتنی

ضرورت ہے انسانیت کو اس جیسے فنا في العبودية مرد با صفا کی.

تھوڑی دیر میں ہم دار العلوم کے مہمان خانہ میں پہنچے، ظہر کی نماز ادا کی، اور کھانا تناول کیا، مہمان خانہ کا خادم نہایت مہذب، نرم خو، متواضع اور مہمان نواز ہے، اس کے اخلاق کا مجھ پر گہرا اثر پڑا، ورنہ عام طور سے بڑی جگہوں کے خادموں میں بد تہذیبی اور بد اخلاقی کی شکایت ہے.

حضرت مولانا ابو القاسم

دار العلوم کے مہتمم حضرت مولانا ابو القاسم صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات کی، ایک سادہ اور پر وقار دفتر جس میں مولانا اور ایک دو معاونین فرش پر بیٹھے ہوئے اپنے کام میں مشغول تھے، نہ کوئی نمائش اور نہ کسی بڑائی کا مظاہرہ، یہ ہے ایشیا کے سب سے بڑے اسلامی علمی مرکز کا دار الاہتمام، ہر قسم کے نمائشی مظاہر سے خالی، مولانا سے ایک بار ابو ظبی میں ایک کانفرنس کے دوران ملاقات کا شرف رہا ہے، مولانا بہت خوش اخلاقی سے ملے اور ہم سے بے تکلفی کے ساتھ باتیں کیں، میں نے دار العلوم کی لائبریری کی لئے مولانا کی خدمت میں اپنی انگریزی کی کتاب محدثات کا ایک نسخہ پیش کیا، مولانا نے اس کی قدر دانی کی اور میری موجودگی میں اسے لائبریری میں بھجوادیا، مولانا پیرانہ سالی کے باوجود صحتمند اور نشیط ہیں، اور اس عظیم ذمہ داری کے اہل، شام کے پانچ بجنے والے تھے اور دار العلوم کے بند ہونے کا وقت قریب تھا لیکن اس کے

باوجود مولانا اس طرح تندہی اور پورے انہماک سے اپنا کام کر رہے تھے جیسے اس کام سے محبت ہو اور یہ ان کی زندگی کا مشن ہو.

کتبخانہ دار العلوم:

اس کے بعد ہم نے دار العلوم کے کتبخانہ کی زیارت کی، اس میں قدیم مخطوطات وآثار دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، کتبخانہ کے ذمہ دار بہت خلیق تھے، انہوں نے وقت ختم ہونے کے باوجود ہر قیمتی مخطوطہ دکھانے کا خاص اہتمام کیا، سابقہ زیارت میں یہاں کمپیوٹر کی اتنی کثرت نہیں تہی، لیکن اس بار کمپیوٹرون کی تعداد دیکھکر خوشی ہوئی کہ دار العلوم جدید نافع وسائل کے استعمال میں قدامت پسند نہیں.

کتبخانہ میں یہ دیکھکر افسوس ہوا کہ باطل فرقوں کی تردید کے شعبہ میں ایک حصہ رد مودودیت کے نام سے موسوم ہے، مودودیت کا لفظ تنابز بالألقاب میں داخل ہے جس کی قرآن کریم میں واضح ممانعت ہے، مولانا مودودی کو اہلسنت والجماعت سے خارج کرنا ایک صریح غلطی ہے، دار العلوم سے ہمیں بجا طور پر یہ توقع ہے کہ ملت کی وحدت کے لئے کوشش کرے، مولانا مودودی کے ساتھ یہ برتاؤ اس کوشش کو متاثر کرسکتا ہے، اختلافات میں میں ادب واحترام کو ملحوظ رکھنا ہمارے بزرگوں کا شیوہ رہا ہے.

دار العلوم کے کتبخانہ میں عورتوں کو آتے جاتے دیکھا، اور جب ہم نیچے اترے تو عورتوں کی ایک بڑی تعداد نظر آئی، استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ دار العلوم کی زیارت

اور لائبریری سے استفادہ کے لئے یہاں ہمیشہ عورتیں آتی رہتی ہیں، ہمارے ساتھی ڈاکٹر شامخ نے اس منظر کا ایک فوٹو بھی لے لیا، اور ہمیں دلی خوشی ہوئی کہ دار العلوم نے عورتوں کے احترام کی جانب ایک اہم قدم بڑھایا ہے، اللہ تعالی دار العلوم کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور اسے ہر طرح کے شرور سے محفوظ رکھے.

دار العلوم کے مطبخ

اس کے بعد ہم نے دار العلوم کے مطبخ کی زیارت کی، اس مطبخ سے طلبہ کی اتنی بڑی تعداد کا کھانا ہر روز مہیا کیا جاتا ہے، اس کی حیثیت ایک اعجوبہ سے کم نہیں، اس کا انتظام وانصرام دیکھنے کی چیز ہے.

باب القاسم

عصر کی نماز کے لئے ہم چھتہ والی مسجد میں حاضر ہوئے، لیکن یہ معلوم ہونّے پر کہ ابھی جماعت میں تاخیر ہے ہم نے دار العلوم کی قدیم مسجد کا رخ کیا اور وہیں عصر کی نماز پڑھی، اس دوران ہمیں کئی بار باب القاسم سے آنا جانا پڑا، جب بھی میری نگاہ باب القاسم پر پڑی میرے ذہنون میں حجۃ الإسلام کی عظمتوں کے معالم تازہ ہوگئے.

حضرت مولانا نور عالم امینّی صاحب

نماز کے بعد استاذ محترم حضرت مولانا نور عالم امینّی صاحب مد ظلہ کے دولتکدہ پر حاضر

ہوئے، مولانا کے صاحبزادہ نے اطلاع دی کہ مولانا مختلف امراض میں بتلا ہیں، اور ابھی کوئی آپریشن ہوا ہے جس کی وجہ سے ملنے سے معذور ہیں، ہم نے مولانا کے لئے دعا کی اور ملاقات نہ ہونے پر افسوس کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوئے، مولانا سے ندوہ میں مختارات پڑھی ہے، وہ عرصہ سے دار العلوم دیوبند کے عربی مجلہ "الداعي" کے ایڈیٹر ہیں، اور شاید احاطہ دار العلوم میں عربی زبان کے سب سے بڑے انشا پرداز.

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی

ہماری خواہش حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم سے ملنے کی تھی، مولانا استاذ محترم کے پڑوسی ہیں، لیکن اس وقت وہ مکان پر نہیں تھے، معلوم ہوا کہ عصر کے بعد مولانا عام طور سے دار العلوم کے کمپیوٹر سنٹر میں بیٹھتے ہیں، ہم مولانا کی تلاش میں وہاں پہنچے، مولانا کی مجلس لگی ہوئی تھی، ہمارا بڑی خوش دلی سے استقبال کیا، جلیبیوں، پکوڑوں اور لیمون کی چائے سی ہماری ضیافت کی، مولانا کی سادگی اور بے تکلفی سے ہمارے ساتھی بہت متاثر ہوئے، مولانا کے ساتھ طویل گفتگو رہی، گفتگو زیادہ تر عالم اسلام کی سیاسی صورت حال پر تھی، انگلینڈ کے حالات پر بھی مولانا نے بعض قیمتی تبصرے فرمائے، اس کے بعد حدیث اور اجازت حدیث کے متعلق مولانا کے خیالات سننے کا موقع ملا، یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ یہاں کے

علماء مولانا عزیزی صاحب سے واقف اور ان کے مجلہ نقوش کے قدر دان ہیں.
میرے پاس دو استدعاءات تھے، ایک عالم عرب کے علماء، شیوخ اور طلبہ کے نامون پر مشتمل، جن میں نمایاں شیخ احمد عاشور، شیخ محمد زیاد التکلہ، شیخ حامد اکرم بخاری وغیرہ ہیں، دوسرا استدعاء انگلینڈ کے میرے دوستوں اور شاگردون وغیرہ کے ناموں پر مشتمل تھا، مولانا نے دونوں استدعاءات پر اجازت لکھی، مولانا سے مجھے بہت پہلے سی اجازت حاصل ہے، دونوں استدعاءات پر میں نے مولانا کے حکم سے لکھا: "أجازهم فضيلة الشيخ نعمة الله الأعظمي الأستاذ بدار العلوم بديوبند حفظه الله تعالى بالشرط المعتبر عند أهل الحديث والأثر، ومن شرطه أن يكون المجاز له من أهل السنة والجماعة". اس کے بعد مولانا نے خود اپنے قلم سے تحریر فرمایا

"بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد: فقد استجازني المذكورون أعلاه، فأجزتهم بما أجازني أساتذتنا، على الأخص منهم الشيخ السيد حسين أحمد المدني صدر المدرسين وشيخ الحديث بدار العلوم بديوبند سابقا، وأوصيهم بتقوى الله، وأن يلتزموا طريقة أهل السنة والجماعة، والسلام". نعمت

اللہ غفر لہ، دار العلوم دیوبند، ١٦ شوال ١٤٣٨ھ۔

دار العلوم سے میرا حدیث کی سند کا تعلق:

دار العلوم کے جن اساتذہ سے مجھے اجازت ہے ان میں مولانا نصیر احمد خان برنی، مولانا انظر شاہ کشمیری، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا عبد الحق اعظمی اور مولانا ریاست علی بجنوری وغیرہ نمایاں ہیں، عام طور سے یہ حضرات شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں، ان میں سب سے اونچی سند مولانا نصیر احمد برنی کی ہے جنہیں مولانا عبد الرحمن امروہی سے بہی اجازت حاصل ہے، جو مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی، شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہي وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، مجھے مولانا احمد رضا بجنوری شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بہی اجازت حاصل ہے، جو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور ان کے اجل تلامذہ میں سے تھے، مولانا احمد رضا بجنوری کے پاس متعدد عالی سندین تہیں، جن کی تفصیل میں نے اپنی معجم الشیوخ میں بیان کی ہے، دار العلوم کے ان شیوخ سے گرچہ مجھے اجازت حاصل ہے لیکن ان سے باقاعدہ استفادہ سے محروم رہا، اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ میں انہیں پاکر بہی نہ پاسکا۔

وہ صورتیں الہی کس دیس بستیاں ہیں

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

تمتع من شميم عرار نجد

فما بعد العشية من عرار[٤]

مغرب سے کچھ پہلے ہم دار العلوم سے روانہ ہوگئے، ہمارا ارادہ تھا کہ مظاہر العلوم جاکر حضرت شیخ محمد یونس جونپوری کی صحبت میں کچھ وقت گزارتے، ہمارے دوست بحرین کے عالم شیخ نظام یعقوبی اور کویت کے محمد بن ناصر العجمی سالوں سے رمضان کے آخری عشرہ میں خانہ کعبہ کے سامنے حدیث کے مخطوطات کا سماع کرتے ہیں، اور پھر ہر سال تحقیق کے ساتھ ان کی طباعت کا اہتمام کرتے ہیں، اس سال مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس کے ایک مخطوطہ کی تحقیق کی ذمہ داری مجھے دی گئی ہے، جسے حرم شریف میں میری طرف سے پڑھا گیا، میری خواہش تھی کہ اس مخطوطہ کو حضرت شیخ کے سامنے پڑھتا تاکہ کتاب ان کی سند سے مزین ہوتی، مولانا مسعود صاحب اور ان کے ساتھی ہمارے استقبال کے لئے صبح سے ہی نکلے ہوئے تھے، اور اس وقت ان پر تکان کے آثار نمایاں تھے، لہذا یہ طے کیا گیا کہ مظفرآباد جاکر آرام کرتے ہیں، اور پھر صبح کے وقت حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے

---

٤ ترجمہ

ہیں۔

مظفرآباد

مركزإحياء الفكر الإسلامي

ہم تقریبا رات کے نو بجے (۱۰ جولائی ۲۰۱۷) مركزإحياء الفكر الإسلامي واقع مظفرآباد پہنچے، مظفرآباد سہارنپور سے تیس کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے، یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، جس میں مسلمان اور ہندو دونوں برابر آباد ہیں، یہ مولانا مسعود عزیزی صاحب کا وطن ہے، عام طور سے کسی نئی جگہ پہنچنے پر اجنبیت کا احساس ہوتا ہے، لیکن مظفرآباد کی زمیں پر جیسے ہی ہم نے قدم رکھا ہمیں اپنائیت اور یگانگت کی بو محسوس ہوئی، ایسا لگا کہ یہ جگہ ہماری منتظر تھی اور ہم اس کی تلاش میں یہاں پہنچ آئے.

إذا هبت الأرواح من نحو جانب
به أهل نجد هاج قلبي هبوبها
هوى تذرف العينان منه وإنما
هوى كل نفس حيث حل حبيبها[٥]

٥ترجمہ

مولانا مسعود عزیزی

عزیزی صاحب نے حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، تعلیم کے ساتھ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا، رائپور کی نسبت کی وجہ سے حضرت مولانا آپ پر خصوصی توجہ فرماتے تھے، ندوہ سے فراغت کے بعد عزیزی صاحب نے اس مرکز کی بنیاد رکھی:

گوش گل کو نالہ مرغ خوش الحان چاہیئے
ناقہ لیلی کو مجنون سا حدی خوان چاہیئے

یہاں نہ کوئی مدرسہ تھا نہ کوئی عمارت، صرف ایک خالی اور غیر آباد زمیں، اللہ کے اس بندے کے خلوص اور جد وجہد کا نتیجہ ہے کہ آج یہاں اتنا بڑا مرکز قائم ہے، اور عزیزی صاحب یہیں سے تعلیم وتربیت اور فیوض وبرکات کی اشاعت میں مشغول ہیں، عزیزی صاحب نے ہم سے فرمایا کہ کئی سالوں تک میں نے اس ادارہ کے لئے پاگلون کی طرح کام کیا ہے:

جنون میں جتنی بہی گزری بکار گزری ہے
اگر چہ دل پہ خرابی ہزار گزری ہے

صحیح ہے کہ عقل وجنون میں بہت گہرا رشتہ ہے، جس نے جنون نہیں اختیار کیا اسے

عقل نہیں آئی، افسوس ان سالکان پست حوصلہ پر جو جنون سے نا بلد رہے، جن کی فرزانگی نے دیوانگی کی مسیحائی نہیں قبول کی:

انہیں کے فیض سے بازار عقل روشن ہے
جو گاہ گاہ جنون اختیار کرتے رہے

اس مرکز کے تحت کئی شعبے کام کر رہی ہیں، ان میں ایک مدرسہ لڑکون کا بنام جامعۃ الإمام أبي الحسن الإسلامیہ ہے، اور ایک مدرسہ لڑکیوں کا بنام جامعۃ فاطمۃ الزہراء للبنات ہے، ہمارے قیام کا انتظام مرکز الإمام أبي الحسن للدعوۃ والبحوث الإسلامیۃ کے مہمان خانہ میں تھا، مہمانہ خانہ بہت آرام دہ اور سارے لوازمات سے آراستہ تھا، اس عمارت سے متصل ہی ایک مسجد بھی ہے، مرکز کی عمارتیں استحکام وجمال کے مابین انسجام وتوافق کا نمونہ:

جس طرح چشم تخیل کا یقین ہو
جیسے ہو حسن بصارت کا ثبات

ہم نے تازہ وضوء کرکے مغرب اور عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی، جس حصہ میں ہم نے نماز ادا کی اس کا استعمال خانقاہ کے طور پر ہوتا ہے، بانی و مہتمم مرکز صاحب ارشاد ہیں، اور ان کو تصوف وسلوک سے مناسبت ہے، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے، بعد میں حضرت مولانا رابع صاحب سی تعلق قائم کیا، بعض بزرگوں نے

خلافت سے بھی نوازا ہے، عزیزی صاحب کو اگر اجازت وخلافت نہ حاصل ہوتی تب بھی ہم ان کی بزرگی کے قائل، اور سلوک وعرفان میں ان کے مقام کے معتقد ہوتے، حقیقی تصوف رسوم وتقالید اور مظاہر ودعاوی کا نام نہیں، یہ سراسر حال ہے، قال نہیں، اس راہ پر خار ووادی ہمت شکن کی بنیاد زھد اور مکارم اخلاق پر ہے جس سے عزیزی کو حصہ وافر ملا ہوا ہے.

یہاں ہم نے عزیزی صاحب کی عربی اور اردو تصنیفات پر نظر ڈالی اور اس مرکز کی دوسری مطبوعات کو بھی دیکھنے کا موقع ملا، عزیزی صاحب نے اپنے گھر پر ہمارے کھانے کا انتظام کر رکھا تھا، جو جامعۃ فاطمۃ الزہراء سے متصل ہے، مرکز اور جامعۃ فاطمۃ کے درمیاں کاشتکاری کی ایکڑ زمیں حائل ہے، عزیزی صاحب کی کوشش ہے کہ اس زمیں کو حاصل کرکے مرکز کی مزید توسیع کریں.

ہم تقریبا رات کے دس بجے عزیزی صاحب کے گھر پہنچے، بچون سے ملاقات ہوئی جن کے نام علی الترتیب یہ ہیں: امامہ عزیزی، محمد عبد اللہ عزیزی، خدیجہ عزیزی اور عائشہ عزیزی، اللہ تعالی ان بچوں کو عالم با عمل، صالح اور والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے، دستر خوان پر آم وافر مقدار میں تھے، ہم نے انہیں سے ابتدا کی، اور گھر کی پکی ہوئی مختلف الانواع چیزین تناول کین، اس دوران علمی وغیر علمی موضوعات پر گفتگو بھی ہوتی رہی.

کھانے سے فارغ ہونّے کے بعد ہم قیامگاہ پر واپس آگئے، اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے، دن بھر کی تکان کی وجہ سے بہت اچھی نیند آئی، صبح سویرے اٹھکر ہم نے جماعت سے فجر کی نماز ادا کی، اس کے بعد میں نے غسل کیا، چائے پی، اور مرکز کی بعض مطبوعات کے مطالعہ میں مشغول ہوگیا،

استاذ مولانا حمید اللہ صاحب

اس دوران یہاں کے ایک نوجوان استاذ مولانا حمید اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی، جو زندہ دل، خوش فکر، خوش مزاج اور متحرک ونشیط ہیں، جنہیں بہت اچھا تصنیفی سلیقہ ہے، اوریہاں کے شعبہ نشر واشاعت کے ذمہ دار ہیں، مولانا دار العلوم دیوبند کے فارغ، اور بستی کے رہنے والے ہیں، مولانا مجیب بستوی سے روابط ہیں، مولانا مجیب صاحب کے داماد اور ہمارے مرحوم ساتھی نیاز احمد بستوی ندوی سے بھی خوب واقف، مولانا نے مرکز کے کتبخانہ اور شعبہ مطبوعات کی زیارت کروائی، اور فرمایا کہ اس ادارہ کی مطبوعات زیادہ تر ھدیہ میں تقسیم ہوتی ہیں، علم کی اشاعت کا یہ عمل ایثار وقربانی کا مظہر ہے.

جامعۃ فاطمۃ الزہراء

تقریبا سات بجے ہم نے عزیزی صاحب کے مکان پر ناشتہ کیا، اور جامعۃ فاطمۃ الزہراء کی زیارت کی، اس کی ناظمہ آپ کی اھلیہ سارہ عزیزی صاحبہ ہیں، جو ایک عالمہ،

تعلیم وتربیت کے جذبہ سے سرشار اور مہذب خاتون ہیں، انہیں تصنیف وتالیف کا بہی ذوق ہے، ان کی ایک تصنیف کا نام ہے "اسلام میں پردہ کی اہمیت" جس کا انکریزی ترجمہ بہی طبع ہو چکا ہے، کتاب مخدوم معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے مقدمہ سے مزین ہے، آپ اس مقدمہ میں حجاب کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ہم اس سلسلہ میں محترمہ سارہ عزیزی صاحبہ سلمہا کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے پردہ کے سلسلہ میں مفید تفصیل ووضاحت کتاب "اسلام میں پردہ کی اہمیت" کی صورت میں تیار کردی، ان شاء اللہ اس کے پڑھنے سے غلط فہمیون کا ازالہ ہوگا، اور اس سلسلہ میں اللہ کا حکم معلوم ہوگا":

بیگانہ رہے دین سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق ومحبت کے لئے علم وہنر موت

اس مرکز کے فارغین تعلیم وتربیت اور دعوت تصنیف کے شعبون سے منسلک ہوکر اپنی خدمات ملک وملت کو پیش کر رہی ہیں، ان میں ایک اہم نام ہے مولانا سید محمد ریاض ندوی سہارنپوری کا، جنہوں نے عزیزی صاحب سے تعلیم حاصل کرکے ندوہ سے عالمیت وفضیلت کی، مولانا ریاض فرماتے ہیں: "بچپن ہی سے استاد محترم حضرت مولانا مفتی مسعود عزیزی ندوی دامت برکاتہم نے اپنی اولاد جان کر اور سمجھ

کر تعلیم وتربیت کی ہے، آپ کے ادارہ مرکز کا سب سے پہلا طالبعلم راقم ہی ہے".
مولانا ریاض صاحب اس وقت تدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں.
عزیزی صاحب سے میری ایک مختصر ملاقات سنہ ۲۰۱۳ میں رائے بریلی میں اعتکاف کے دوران ہوئی:

تری تلاش تہی شہر وفا کی گلیوں میں

اس شہر وفا کی گلی میں ان سے ملاقات کیا ہوئی کہ یہ ملاقات شناسائی میں اور پھر انسیت میں تبدیل ہوگئی، اگر میں صوفی ہوتا تو کہتا کہ یہ عزیزی صاحب کا تصرف ہے:

ڈھونڈھوگے ہمیں ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

اس خاص انسیت کا راز اب تک مجھ پر منکشف نہیں ہوا، شاید اس کی وجہ عزیزی صاحب کی تواضع، سادگی، لہجہ کی نرمی، بے تصنعی اور مکارم اخلاق سے اتصاف ہے، عزیزی صاحب کو جب بھی میں نے کوئی علمی یا تصنیفی مشورہ دیا انہوں نے اسے نہ صرف یہ کہ قبول کیا، بلکہ مجھے کہیں سے یہ شبہہ بھی نہیں ہوا کہ میرا مشورہ دینا ان کو گران گزرا ہے، بہر حال عزیزی صاحب ان جواہر نوادر میں سے ہیں جو ظاہر کو سنوارنے کے بجائے پوری توجہ باطن کی تزیین کی طرف کرتے ہیں:

گہر میں چراغان کرنے سے حاصل

دل میں چراغان کیون نہ کریں

یا اس انسیت کی وجہ عزیزی صاحب کی محنت کشی وجفا کشی، قوت ارادی اور قوت عمل کی خوبی ہے، بفحوائے "بے جہد نہیں کھلتے اسرار جہاں گیری" عزیزی صاحب سراپا عمل ہیں:

گلون سے داغ کانٹون سے خلش لینے کو آئے ہیں
گلستان میں ہم اپنے دل کو بہلانے نہیں آئے

یا اس کی وجہ عزیزی صاحب کی صفت اعتدال، گروہ بندی، فرقہ واریت اور ہر طرح کے تعصب سے دوری ہے، یا یہ خوبی ہے کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" پر عمل پیرا ہونّے کے ساتہ اگر کوئی تکلیف پہنچائے تو اس سے در گزر کرتے ہیں:

بدلے کی رسم دین وفا میں حرام ہے
احسان اک شریف ترین انتقام ہے

بہر حال میرے لئے یہ ایک معمہ سے کم نہیں کہ میں عزیزی صاحب کے کس کمال پر فدا ہوں، جب تک یہ معمہ حل نہیں ہوتا میں خود کو یہ کہکر مطمئن کرلیتا ہوں کہ میں عزیزی صاحب کی صفت انسانیت کا گرویدہ ہوں:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں

تب خاکے پردے سے انسان نکلتے ہیں

حضرت شیخ محمد یونس جونپوری

شوقِ شیخ

آج منگل کا دن ۱۷ شوال سنہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱ جولائی سنہ ۲۰۱۷م ہے، صبح ہی سے مجھ پر اضطراب کی کیفیت طاری ہے کہ کس طرح ہم وقت پر مظاہر العلوم پہنچ جائیں، آج شیخنا المکرم اور اس عصر کے محدث اعظم کی زیارت کرنی ہے، مظاہر العلوم کو بجا ہے کہ اپنے مایہ ناز شیخ الحدیث پر ناز کرے، اور اس مفخرہ علماء، یادگار سلف اور نادرہ روزگار پر فخر کرے:

مبارک منزلے کان خانہ را ماہے چنین باشد

ہمایون کشورے کان عرصہ را شاہے چنین باشد[٦]

میرا خیال مظفرآباد سے سات بجے نکلنے کا تھا، لیکن ناشتہ اور ملاقاتون کی وجہ سے کچھ تاخیر ہوگئی، عزیزی صاحب نے میری پریشانی دیکھکر تسلی دی کہ ہر کام وقت پر ہوجائے گا، ہم لوگ تقریبا ۸ بجے سہارنپور کے لئے روانہ ہوئے:

رگ رگ میں ایک برق خرامان لئے ہوئے

دل ہے ہوائے منزل جاناں لئے ہوئے

٦ترجمہ

راستہ میں مولانا ناظم ندوی سے فون پر بات ہوئی، مولانا کا اصرار تھا کہ حضرت شیخ سے ملاقات کے بعد میں تھوڑی دیر کے لئے ان کے ادارے کی زیارت کرلون، عزیزی صاحب نے بھی یہی مشورہ دیا، اس لئے میں نے ھان کرلی، مولانا ناظم ندوی صاحب ندوہ میں مجھ سے کئی سال سینیر تھے، اور میرے زمانہ میں الإصلاح کے ناظم تھے، اور خطابت اور مقالہ نویسی میں نمایاں.

راستہ میں سوچ رہا تھا کہ حضرت شیخ سے ملاقات پر ان سے کیا باتیں کرنی ہیں، انہیں عبد اللہ التوم، احمد عاشور، محمد زیاد التکلۃ، محمد بن ناصر العجمی اور شیخ نظام یعقوبی وغیرہ کا سلام عرض کرنا ہے، اور حدیث کے متعلق کچھ سوالات کرنے ہیں، میں اسی قسم کے خیالات میں گم تھا، اور میں اور میرے ساتھی مختلف موضوعات پر گفتگو میں محو تھے کہ گاڑی سہارنپور شہر میں داخل ہوگئی، جب ہم مظاہر العلوم کے دار قدیم سے دار جدید کی طرف مڑے تو طلبہ و اساتذہ کو سڑک کے کنارے اور صحن مدرسہ میں ایستادہ پایا، ماحول پر ایک سکوت طاری تھا، ایک عجیب وغریب سناٹے کا عالم تھا:

ایک افسون بدوش ظلمت میں
ایک گہرے سکوت کا عالم
روئے خنداں نہ دیدہ گریاں

جلوہ گل نہ رشحہ شبنم[۷]

اس وقت تقریبا نو بجے تھے، میں نے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ لوگ کیون کھڑے ہیں، تو کسی ساتھی نے جواب دیا کہ داخلہ کا زمانہ ہے، ابھی تعلیم شروع نہیں ہوئی ہے، اس لئے طلبہ ادہر ادہر ٹہل رہے ہیں، گاڑی دار جدید کے اندر گئی، اور یہی منظر، بلکہ دیکھا کہ طلبہ دار جدید کی اوپر کی منزلون اور چھتون پر کھڑے گیٹ کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے ہیں، میرے ذہن میں آیا کہ شاید کوئی اہم شخصیت آنے والی ہے اور لوگ اس کا استقبال کر رہے ہیں، میں نے جلدی سے گاڑی سے اتر کر ایک طالبعلم سے ماجرا پوچھا، اس نے جو جواب دیا اس کے لئے ہم تیار نہیں تھے، وہ خبر دلخراش ہم پر صاعقہ بن کر گری، اس نے کہا کہ حضرت شیخ یونس کا ابھی انتقال ہوا ہے، اور اسپتال سے ان کا جسد خاکی پہنچنے والا ہے، ھائے جس سے ملاقات کے لئے انگلینڈ سے سہارنپور کا سفر کیا تھا، ھائے ہم جس کی باتیں سننے کے لئے یہاں آئے تھے وہ آواز ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی، اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون: اب اسے ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر.

ویران ہے میکدہ خم وساغر اداس ہیں

۷ترجمہ

تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

میں نے اپنے عرب دوستوں احمد عاشور وغیرہ اور انگلینڈ کے ساتھیوں کو اس حادثہ جانکاہ کی خبر کی، میرے ساتھی ڈاکٹر شامخ اور ان کے والد نے شیخ سے کبھی ملاقات نہیں کی تھی، اور سہارنپور صرف شیخ سے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے، ان کی یہ تمنا نا تمام رہ گئی، اسی طرح اس سال جن طلبہ نے دورہ حدیث میں داخلہ لیا تھا وہ اپنی آرزوؤں کی قربانی پر نوحہ کنان تھے:

افسوس بر آن دیدہ کہ روئے تو ندیدہ ست

یا دیدہ وبعد از تو بہ روئے نگریدہ ست[۸]

آنے والی نسلیں تم پر ناز کریں گی ہم عصرو!

جب یہ سنیں گی تم وہ ہو جس نے فراق کو دیکھا ہے

آہ! سہارنپور کی زینت گئی، اور درہ تاج مظاہر العلوم رخصت ہوا، پورا مدرسہ دار الحزن، ماتمکدہ اور محفل نوحہ و غم میں تبدیل ہو گیا:

شہر سارا بنا ہے بیت حزن

ایک یوسف نہیں جو کنعان میں

---

۸ ترجمہ

مدرسہ کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا حادثہ

اس مدرسہ کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا حادثہ تھا، اسکے پہلے شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور ان کے جانشین مولانا زکریا کاندہلوی رحمۃ اللہ علیہما کا انتقال یہاں سے دور مدینہ منورہ میں ہوا تھا، اس سلسلۃ الذہب کی تیسڑی کڑی کا سانحہ ارتحال یہاں پیش آیا، خبر آنا فانا پورے شہر، بلکہ پورے ملک اور اکناف عالم میں پھیل گئی اور لوگ دور دور سے جوق در جوق یہاں پہنچنے لگے، ناظم مدرسہ مولانا سلمان صاحب دامت برکاتہم کے گرد انسانوں کا ہجوم تھا جو بڑھتا ہی جا رہا تھا، ہم نے ہمت کرکے جگہ بنائی، بڑی مشکل سے مولانا کے پاس پہنچے اور رسم تعزیت ادا کی.

تیرے جانے سے گمان برہمی دہر کا تھا
تو گیا اور پیا دہر میں محشر نہ ہو

بخاری شریف کا سب سے بڑا عالم

آج بخاری شریف کا سب سے بڑا عالم رخصت ہوا، بر صغیر بلکہ پورے عالم اسلام میں اس کے برابر بخاری کا کوئی عالم نہیں تھا، میں نے ہندوستاں، پاکستان اور عالم عرب کے شیوخ کی مجالس حدیث میں شرکت کی ہے، اور جن کے دروس نہیں سنے ان کی تحریرین دیکھی ہیں، کسی کو اس مرد نکتہ دان سے کیا نسبت، خاکہ کو آسمان سے کیا نسبت، میرے عرب دوست علمائے حدیث اس کی بخاری فہمی پر انگشت

بدندان تھے، اس کی نکتہ سنجیاں اس کے علم و فہم اور گہرے تدبر و تفکر کا نتیجہ تھیں، اس نے صحیح بخاری پر کسی فقہی یا فکری مکتبہ فکر کے پیروکار کی حیثیت سے نگاہ نہیں ڈالی، وہ صحیح بخاری امام بخاری کی نگاہ سے پڑھنے کا عادی تھا، اس کتاب کے سب سے بڑے شارح حافظ ابن حجر عسقلانی بھی کبھی کبھی شافعی مسلک کی عینک پہنے نظر آتے ہیں، لیکن آج کا رخصت ہونے والا وہ عالم راسخ تھا جس نے حق صدق و امانت ادا کردیا.

شیخ کی مجلس کی علمی خصوصیات

آج اس ذات نے عالم فانی کو خیرباد کہا، جس کی مجلسوں میں امام علی بن المدینی کی علل فہمی کا تذکرہ ہوتا، جہاں رواۃ حدیث پر یحیی بن معین، احمد بن حنبل، ابو زرعہ الرازي اور ابو حاتم الرازي کے اقوال زیر بحث ہوتے، جو ابن تیمیہ، مزی، برزالی اور ذھبی کا عاشق تھا، جو ابن رجب، ابن عبد الھادي کے حوالے دیتا، جو ابن حجر کی آراء کا ناقدانہ تجزیہ کرتا، جس کی ہر مجلس میں نئی تحقیقات سننے کا موقع ملتا، جو متقدمین ومتاخرین کی آراء سے واقف ہی نہیں بلکہ ان کے ما لہ وما علیہ پر درجہ استناد رکھتا تھا، وہ حافظ حدیث تھا، اور اپنے موضوع پر حجت.

وہ مجلس سونی ہوگئی جس میں حدیث کی کتابوں کے تذکرے ہوتے، جہاں موطا اور

اصول ستہ کے نام بار بار آتے، جہاں سنن دارقطنی، سنن بیہقی، مستدرک حاکم پر گفتگو ہوتی، جہاں تاریخ البخاری، تاریخ بغداد، تاریخ دمشق، تہذیب الکمال، تذکرۃ الحفاظ، سیر اعلام النبلاء، میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب زیر بحث آتیں، جہاں مقدمہ مسلم، علل الترمذي، المحدث الفاصل، معرفة علوم الحديث، الكفاية في علم الرواية، الرحلة في طلب الحديث، الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع، الإلماع، مقدمة ابن الصلاح، التقييد والإيضاح، نزہۃ النظر وغیرہ کی گتھیاں سلجھائی جاتیں.

معتدل مزاجی

وہ صاحب نظر ہم میں نہ رہا، جو محدثین کے اصول اور سلف کے منہج کے مطابق تفصیل کے ساتھ صفات الٰہی کی تشریح کرتا، جو خوارج، شیعہ، جبریہ، قدریہ، مرجئہ، معتزلہ، اور دیگر فرق باطلہ کی برملا علمی تردید کرتا، جو اشاعرہ وماتریدیہ کے اقوال ودلائل کی کمزوریاں واضح کرتا، جو ابن تیمیہ کی تحریرون کے اس طرح حوالے دیتا گویا وہ اسے ازبر ہوں، جو کسی کہو کہلی مصلحت اور سیاسی دور اندیشی کی پرواہ کئے بغیر ابن تیمیہ سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتا، بلکہ ابن تیمیہ کو اپنا شیخ کہتے نہ تھکتا.

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا، ایک ضیا پاش چراغ تھا نہ رہا، آہ! ہندوستاں کا وہ عالم محقق

وفات پاگیا، جو تقلید سے بالاتر تھا، آج جبکہ تقلید عوام میں نہیں بلکہ خواص میں بھی پھیلی ہوئی ہے، اور بہت سے اقزام اس تقلید پر فخر کنان ہیں، وہ بیشہ علم و تحقیق میں جرات وہمت کا امام اور عزم وحوصلہ کا بادشاہ تھا، ہر چیزز کو اپنی نگاہ سے دیکھنے کا خوگر تھا، اور ہر بات کو اپنی عقل سی سمجھنی کی کوشش کرتا تھا، اس کے علم کی گہرائیوںنے اسے تقلید کی پستی سے نکالکر تحقیق واجتھاد کے مقام بلند پر فائز کردیا تھا، راقم سطور اور راقم سطور جیسے سیکڑون انسان اس کی اس صفت کے شیدائی تھے: شبلی خراب نرگس چشم خراب اوست

مجھے ڈر ہے کہ کوتاہ بین وکوتاہ نظر، دون ہمت وپست حوصلہ اسے اپنی صف میں لاکر کھڑا کرنے کی کوشش کریں گے، اس پر تقلید وروایت پرستی کی قبائے تنگ ڈالی جائے گی، لیکن یہ کوشش اتنی بھونڈی ہوگی کہ جسے بھی اس کی مجلسوں کا ادنی ذوق ہے وہ اسے ہرگز قبول نہیں کرے گا: دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر.

تحقیق واجتھاد کے اعلی مقام پر فائز رہتے ہوئے ائمہ کرام اور علمائے سلف کا پورا احترام کرتا، ایکبار مجلس میں تواضع کے ساتھفتح الباری میں ابن حجرپر اپنے تعقبات کا ذکر کیا، تو میں نے عرض کیا کہ "اگر ابن حجر کی وہ ساری غلطیاں املا کرادیتے تو ہمارے پاس کتنی اہم دستاویز مہیا ہوجاتی"، فرمایا "نہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ ابن حجرپر تنقید کریں، میں نے ان تعقبات کو اپنی تحریرون میں منتشر کردیا ہے، جو

ساری تحریرین پڑھے گا، اسے یہ معلومات حاصل ہوجائیں گی".

عبادت گزاری

وہ عبادت گزار تھا، تقوی اور خشیت الہی سے متصف، اس کی مجلسوں نے حاضرین کے اندر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور سنت کی اہمیت راسخ کردی تھی، زھد اس کا خاصہ تھا، اس نے اپنے قدموں میں حنائے قناعت لگا رکھی تھی:

دنیا اگر دہند نہ جنبم زجائے خویش

من بستہ ام حنائے قناعت پبائے خویش[۹]

سنت وحدیث کی امامت کا ذکر آتا تو زبانوں پر سب سے پہلے اسی کا نام آتا، اس کا انتقال ہوا، اور سارے شیوخ حدیث برابر ہوگئے، امام أوزاعی کا قول ہے: إذا مات ابن عون وسفيان الثوري استوى الناس، یہ قول کسی وقت عبد اللہ بن عون اور سفیان ثوری کے لئے سچا تھا تو آج اس کا انطباق اس جانے والے پر ہوتا ہے جس نے آج سارے علماء کو ایک درجہ میں کردیا:

داغ معجز بیان ہے کیا کہنا

۹ترجمہ

طرز سب سے جدا نکالی ہے
نظر نواز نظارون میں جی نہیں لگتا
وہ کیا گئے کہ بہارون میں جی نہیں لگتا
نغمہ کارون کے لئے ناخن مضراب کہاں
سینہ ساز سے اٹھی نہ صدا میرے بعد

ہندوستاں میں، حرمیں شریفین میں اور انگلینڈ میں ہمیشہ دیکھا ہے کہ جدہر وہ ہوتا اسی طرف ہجوم علماء وطلبہ ہوتا:

سلطان خوبان می رود ہر سو ہجوم عاشقان
چابک سواران یک طرف مسکین گدایان یک طرف[10]

وہ چلا گیا، اور اس نے کوئی جا نشین نہیں چھوڑا، کیونکہ اس کا مقام کسی مسند سی عبارت نہیں تھا کہ اس کے بعد کوئی دوسرا اس مسند پر بیٹھ جاتا، نہ ہی اس کا مقام کسی عہدے اور منصب کا نام تھا کہ اس کے بعد کسی دوسرے کی اس پر تقرری ہوتی، نہ اس نے کوئی سجادہ چھوڑا کہ اس کی جانشینی اختیار کی جاتی، ہر جھوٹے بڑے مدرسی میں شیخ الحدیث کا عہدہ ہے، لیکن کوئی شیخ یونس نہیں، وشتان ما بین خل

---

۱۰ ترجمہ

وخمر[11]، اس کا مقام علم کی وسعت وگہرائی، عقل وفہم، فکر وتدبر، تحقیق واجتھاد، صلاح وتقوی، اور خشیت واخلاص سے عبارت تھا، ان ائمہ متقدمین کے مانند تھا جن میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا گیا ہے: **لم یخلف بعدہ مثلہ**: اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے:

کوئی ویسا نظر نہیں آتا

وہ زمیں اور وہ آسمان نہ رہا

بدخشان ویمن چھانا، لگائے غوطے دریا میں

نہ لب سا لعل اے آتش نہ دندان سا گہر دیکھا[12]

حضرت شیخ کا جنازہ

حق تو یہ تھا کہ میں حضرت شیخ کے جنازے میں شریک ہوتا، جس میں شرکت کے لئے علماء، مشایخ اور طلبہ ہر طرف سے کھنچے چلے آرہے تھے، اور خلقت کا اس قدر ہجوم تھا کہ سہارنپور میں کسی کے جنازہ میں اتنی بھیڑ نہیں دیکھی گئی، اور ان محبین ومعتقدین کے جلو میں آپ کو یہاں کے ایک قبرستان میں دفن کردیا گیا، سنت نبوی کے اس

---

۱۱ ترجمہ

۱۲ ترجمہ

عاشق کی تدفین کہیں ہو ان شاء اللہ حشر اس کا ساکنان مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وائمہ واعلام حدیث کے ساتھ ہی ہوگا:

اس درجہ ہے نسبت ترے کوچہ کی زمیں سے
ہوں دفن کہیں بھی اٹھوں گا وہیں سے

صد افسوس کہ جسے تقدیر نے وفات کے وقت اس کے مقر پہ پہنچادیا تھا جنازہ میں شرکت سے محروم رہا، عذر لنگ یہ کہ مجھی آج شام کی فلائٹ سے دلی سے حیدرآباد کے لئے روانہ ہونا تھا، راستہ میں مولانا نور الحسن راشد کاندہلوی مد ظلہ سے کاندہلہ میں ملاقات طے تہی، لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہم سہارنپور سے جلد ہی نکل جائین، ورنہ بھیڑ زیادہ ہوجانے کے بعد نکلنا مشکل ہو گا، یہ مشورہ مناسب معلوم ہوا، ہم نے اس اسپتال کا رخ کیا جہاں حضرت شیخ کا انتقال ہوا تھا، اندر جانے پر معلوم ہوا کہ جسد مبارک وہاں سے مدرسہ جا چکا ہے، ہم نے حضرت شیخ کے لئے دعا کی اور وہاں سے نکل پڑے: هجرت وطيف خيالها لم يهجر

چلا اکبرآباد سے جس گھڑی
در وبام پر چشم حسرت پڑی
وكيف مقامي بالمدينة بعد ما

قضی وطرا منها جمیل بن معمر[۱۳]

ہم نکل پڑے اور تصور میں ہے وہ مظاہر العلوم جس میں شیخ یونس نہیں، وہ سہارنپور جس میں اس کا مکین نہیں:

غزالان تم تو واقف ہو کہو مجنون کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانہ پہ کیا گزری

---

۱۳ ترجمہ

تھانہ بھون

مولانا ناظم ندوی کو فون کیا، معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کے جنازہ کے لئے مظاہر العلوم پہنچ رہے ہیں، مولانا نور الحسن صاحب سے بات کی تو فرمایا کہ وہ بہی کاندہلہ سے نکل رہے ہیں اس لئے راستہ میں تھانہ بھون میں ملاقات کرلی جائے، ہم نے عزیزی صاحب سے درخواست کی کہ وہ سہارنپور میں رک جائیں، اور جنازہ میں شرکت کریں، اور ہم ان کے مدرسہ کے استاد وذمہ دار قاری ندیم صاحب کی سربراہی میں سہارنپور سے روانہ ہوئی، قاری صاحب نے ہمارا بہت خیال رکھا، اور ایک اچھے رفیق سفر ہونے کا ثبوت دیا.

ہماری کار تھانہ بھون کی طرف چل رہی تہی، اور اس دوران شیخ کے متعلق کثرت سے پیغامات موصول ہوتے رہے، آپ کی وفات کی وجہ سے علم حدیث کی دنیا میں ایک ہلچل مچی ہوئی تہی، راستہ میں میری بیٹی سمیہ اور اس کے شوہر ابو الفرحان کا فون آیا، وہ اس سانحہ کی مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہتے تھے، انگلینڈ کے ہمارے قدیم کرم فرما جناب سلیمان قاضی صاحب کا بہی فون موصول ہوا، اور اس حادثہ فاجعہ پر غم کا اظہار کر رہے تھے، تہوڑی دیر میں مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے قصبہ نانوتہ سے ہمارا گزر ہوا، اور راستہ میں دوسرے تاریخی مقام سے ہوتے ہوئے گیارہ

بجے کے قریب تھانہ بھون پہنچے، ابھی مولانا نور الحسن صاحب کے پہنچنے میں تاخیر تھی،

خانقاہ امدادیہ

انگلینڈ کے ساتھیوں کی خواہش ہوئی کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدفن اور خانقاہ امدادیہ کی زیارت کرلیں.

جس جا کہ خس وخار کے اب ڈھیر لگے ہیں
وان ہم نے انہی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہارین

ہم مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے، مزار قصبہ کے کنارے ایک احاطہ کے اندر واقع ہے، یہاں ایک مسجد کی بھی تعمیر ہوگئی ہے، یہ مسجد وہاں پہلے نہیں تھی، ہم نے قبر پر فاتحہ پڑھکر دعا کی، اور میں ماضی کے ایک تصور لذیذ میں کھو گیا:

میں سن رہا ہوں اسے جو سنائی دیتا نہیں
میں دیکھتا ہوں اسے جو دکھائی دیتا نہیں

میرے ذہن میں وہ دور تازہ ہوگیا جب مولانا تھانوی کی کوششوں سے تقریبا نصف صدی تک تھانہ بھون علماء وصالحین کا قبلہ بنا ہوا تھا، اور یہاں سے اصلاح اور تعلیم وتربیت کا وہ عظیم الشان کام ہوا جس کی نظیر دور دور تک نہیں:

جس کی سانسون سے مہکتے تھے در وبام ترے
اے مکان بول کہان اب وہ مکین رھتا ہے

سفرِ ہند

مولانا تھانوی کے آخری اور صالح و مصلح خلیفہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ندوہ میں، ہردوئی، الہ آباد، حرمین شریفین اور انگلینڈ میں بار بار اور تفصیلی ملاقات رہی ہے، آپ کے مواعظ اور مجالس سے استفادہ بھی کیا ہے، البتہ اجازت لینے کی نوبت نہیں آئی، اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا ابرار الحق صاحب کو حضرت تھانوی کی اجازت عامہ حاصل نہیں، انہیں صرف طریقت وتصوف میں خلافت ہے، البتہ مجھے مولانا عبید اللہ امرتسری مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت حاصل کرنے کا شرف ہے، وہ شاید مولانا تھانوی کے آخری شاگرد اور مجاز تھے، اب مولانا تھانوی سے روایت کرنے والا کوئی باقی نہیں.

اس کی بعد ہم خانقاہ امدادیہ پہنچے، ایک چھوٹا سا سادہ اور پر سکون زاویہ، جسے درویش خدا مست حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ نے بزم رشک جنان بنادیا:

نہ بادہ ہے نہ صراحی ہے نہ دور پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگین ہے بزم جانانہ

اللہ تعالی نے ایسی برکت عطا کی کہ آپ کی وجہ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں ایک نئی جان پڑ گئی، اور چشتیہ نظامیہ پر اسے وہ برتری حاصل ہوئی جو آج تک قائم ہے:

غنچون میں اہتزاز ہے پرواز حسن کی
سینچا تھا کس نے باغ کو بلبل کے خون سے

رات کی تاریکیوں میں یہاں خالق ارض وسما کی وہ حمد وثنا ہوتی، یہاں اس جوش وخروش کے ساتھ ذکر الٰہی ہوتا کہ پوری کائنات اس سے ہم آھنگ ہوتی، اور فرشتے اس بقعہ نور کو اپنے وجود سے سجادیتے، اس کی دن کی مجلسین اصلاح باطن و تحسین اخلاق کا کام کرتین، اور رات کی محفلین زمیں کے اس ٹکڑے کو ارم نظیر بنادیتین، اور ملأ اعلی میں اس کے چرچے ہوتے، غرض یہ زاویہ نفوس قدسیہ اور دلہائے شکستہ کا مرکز بن گیا:

در کوئے ما شکستہ دلی می خرند وبس
بازار خود فروشی ازان سوئے دیگر ست

اس خانقاہ امدادیہ نے ہندوستان کی قسمت دگرگون کردی، یہیں علمائے کبار حاجی صاحب سے بیعت ہوئے، اور بہت جلد آپ کے خلفاء و منتسبین ہندوستان کے اطراف میں پھیل گئے، مکہ مکرمہ ہجرت کرنے کے بعد آپ کے سلسلہ کو مزید وسعت حاصل ہوئی، ہندوستاں میں آپ کے جانشین برحق مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما تھے، ان دونوں کے بعد تھانہ بھون کی دکان معرفت ایکبار پھر زندہ، تابندہ و متحرک ہوگئی:

درین میدان پر نیرنگ حیران ست دانائی
کہ یکھنگامہ آرائے وصد کشور تماشائی

مولانا تھانوی مجمع البحرین

مولانا تھانوی کے پاس جہاں ایک طرف دیو بند اور مظاہر العلوم کے علماء حاضر ہوتے وہیں ندوہ سے سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الباری ندوی، اور مولانا مسعود علی ندوی بہی اپنی پیاس بجھانے پہنچ گئے:

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفون کے سب اسیر ہوئے

پیار کرنے کا جو خوبان ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بہی تو پوچھئے تم اتنے پیارے کیون ہوئے

مولانا تھانوی کے انتقال پر سید صاحب نے اپنے پر درد وعالمانہ مضمون کی ابتدا ان زرین لفظوں سے کی:

"محفل دوشین کا وہ چراغ سحر جو کئی سال ضعف ومرض کے جہونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر... ہمیشہ کے لئے بجھ گیا... یعنی حکیم امت، مجدد طریقت، شیخ الکل مولانا اشرف علی تھانوی نے ... اس دار فانی کو الوداع کہا... جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد بریلوی کی نسبتین یکجا تہیں، جس کا سینہ چشتی ذوق

وعشق اور مجددی سکون و محبت کا مجمع البحرین تھا، جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان تہی، جس کے قلم نے فقہ اور تصوف کو ایک مدت کی ھنگامہ آرائی کے بعد باہم آغوش کردیا تھا".

مولانا عبد الماجد دریابادی نے حکیم الأمت لکھکر مولانا تھانوی کی ان خوبیوں کو بے نقاب کیا جو اب تکپردہ خمول میں پڑی ہوئی تہیں، اس کتاب کا کئی بار مطالعہ کیا، اور مولانا تھانوی کی زندگی کے نئے انسانی، معلمانہ ومربیانہ حکیمانہ پہلوؤں سے واقفیت ہوئی، مولانا کتاب کے دیباچہ طبع اول میں لکھتے ہیں:

"حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی بزرگ کس مرتبہ اور ولی اللہ کس پایہ کے تھے اس کا حال تو وہی بتا سکتا ہے جو خود بہی بزرگ، عارف اور ولی اللہ ہو... اس لئے اگر کسی صاحب نے کتاب کو اس شوق میں کہولا ہے کہ اس میں حضرت کے مرتبہ معرفت وولایت کی تفصیل درج ہوگی یا ان صفحات میں حضرت کے مناقب عرفانی ومدارج روحانی کا بیان ہوگا تو خیر اسی میں ہے کہ آگے وہ ورق گردانی کی زحمت گوارا نہ فرمائین، اور کتاب کو بے پڑہے بند کی بند رہنے دین ... "حضرت شیخ" کے کمالات وفضائل اپنی جگہ پر، بہر حال اشرف علی تھانوی نامی ایک انسان بہی تو اسی صدی میں ہوئے ہیں، ان کی عمر کے آخری ۱۵-۱۶ سال کے زمانے میں اس نامہ سیاہ کو ان سے نیاز اور

اپنی بساط کی حد تک گہرا نیاز حاصل رہا ہے، اور اس نے اپنے تجربے اور سابقے میں انہیں ایک بہترین انسان پایا، بس ان کی اسی انسانی زندگی کا ھلکا سا عکس ان نقوش وتاثرات کے اندر بند کرنے کی کوشش الٹی سیدھی آپ کو یہاں ملے گی".

جس ماحول میں میں نے آنکھیں کھولیں اس میں ہر طرف مولانا تھانوی کا چرچا تھا، کوئی گھر بمشکل ایسا ہوگا جس میں بہشتی زیور نہ ہو، یہ کتاب بار بار پڑھی اور پڑھکر گھر والوں اور محلہ والون کو سنائی، چونکہ ذہن کسی اور نقش سے خالی تھا یہ کتاب نقش اولین بن گئی، جب نو سال کی عمر میں مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلان جونپور میں فارسی پڑھنی شروع کی اس وقت مولانا تھانوی کی کتاب تعلیم الدین ہمارے نصاب میں تھی، دار العلوم ندوۃ العلماء میں مولانا تھانوی کی دوسری کتابوں کے پڑھنے کا موقع ملا،

تربیت السالک سے استفادہ

ندوہ کی طالبعلمی کا شاید آخری سال تھا کہ میں نے اور برادر مکرم آفتاب عالم ندوی نے رائی بریلی جاکر فجر کی نماز کے بعد تکیہ کی مسجد میں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی، سلوک وطریقت میں تو کوئی پیش رفت نہیں کی، لیکن حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے اسی زمانہ میں امام غزالی کی کیمیائے سعادت اور مولانا تھانوی کی تربیت السالک پڑھی، کیمیائے سعادت زیادہ پسند نہیں آئی، لیکن تربیت السالک نے

مولانا تھانوی کی حکیمانہ ومربیانہ مہارت کے نقوش ذہن میں مرتسم کردیئے، اور آج بھی یہ کتاب میرے مطالعہ میں رہتی ہے، شدت تاثیر میں شاید دنیا کی چند کتابوں میں اس کا شمار ہو.

خواجہ عزیز الحسن مجذوب

مولانا تھانوی کا تذکرہ ہو تو پھر خواجہ عزیز الحسن مجذوب کا ذکر لازمی ہے، خواجہ صاحب نے تین جلدوں میں اشرف السوانح کے نام سے مولانا تھانوی کی سوانح لکھی، یہ کتاب کئی بار پڑھی، خواجہ صاحب مولانا تھانوی کے مرید عاشق تھے، فرماتے ہیں:

پڑ گئی تھی ان پہ بھولے سے نظر
بات اتنی سی؟ قیامت ہوگئی

درپردہ کوئی پردہ نشین دیکھ لیا ہے
اب حور بھی آجائے تو ڈالیں نہ نظر ہم

خواجہ صاحب بڑے پائے کے شاعر تھے، جو رتبہ امیر خسرو کو حضرت نظام الدین اولیاء کے دربار میں حاصل تھا، وہی مقام خواجہ صاحب کا مولانا تھانوی کے یہاں تھا، کتنے خوبصورت ہیں ان کے یہ اشعار:

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں
میکشوا یہ تو میکشی رندی ہے میکشی نہیں
آنکھوں سے تم نے پی نہیں آنکھوں کی تم نے پی نہیں
بیٹھا ہوں میں جھکائے سر نیچی کئے ہوئے نظر
بزم میں سب سہی مگر وہ جو نہیں کوئی نہیں

اور خواجہ صاحب کا یہ شعر تو غضب کا ہے:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

جب بہی مولانا تھانوی اسے پڑھتے تو کئی بار پڑہتے، اور فرماتے کہ اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو خواجہ صاحب کو اس شعر کی نذر میں پیش کرتا.

مولانا نور الحسن راشد کاندہلوی

ہم لوگ خانقاہ امدادیہ سے نکلکر تھانہ بھون کی شاہراہ عام پر منتظر ہی تھے کہ مولانا نور الحسن راشد کاندہلوی صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ تشریف لے آئے، اور اس سفر کی ایک دلی آرزو بر آئی، اس وقت تحقیقات علمیہ میں بر صغیر میں مولانا کا نام سب سے زیادہ معتبر ہے، عصر حاضر میں ہندوستاں کے اہم محققین میں شیخ ابو الوفاء افغانی، علامہ عبد العزیز میمنی، امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اور ابو محفوظ عبد الکریم معصومی کے نام نمایاں ہیں، مولانا نور الحسن صاحب اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، اور اسے طلائے ناب سے جڑے ہوئے ہیں، آپ کی زندگی بحث و تحقیق، مطبوعات و مخطوطات کی ورق گردانی اور علم و کتب دانی سے عبارت ہے:

شنیدہ ئی کہ بہ آتش نہ سوخت ابراہیم

ببین کہ بے شرر و شعلہ می توانم سوخت

سنہ ۲۰۱۳ میں میں نے کاندہلہ جاکر مولانا سے ملاقات کی، آپ کی لائبریری کے ایک حصہ کی زیارت کی، مولانا نے اتنی خوشدلی، تواضع اور اپنائیت سے میرا استقبال کیا کہ لمحوں میں آپ سے گھل مل گیا، اور ہمارے درمیاں تکلفات و تصنعات کے سارے پردے اٹھ گئے، مولانا نے اپنی بہت سی تازہ تحقیقات کا خلاصہ پیش فرمایا، دل چاہتا تھا کہ مولانا کی باتیں سنتے رہیں، اور مجلس کبھی ختم نہ ہو:

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ، معانی میں دقیق

اگر ہمارے درمیاں علمی مقام کا عظیم فرق نہ ہوتا تو شاید میں یہ کہنے کی جرأت کرتا کہ یہ مختصر ملاقات دوستی میں تبدیل ہوگئی، اور مولانا سے عقیدت و محبت میں اضافہ ہوگیا، اور اس علمی مجلس سے جذبہ تحقیق و جستجو کو ایک مہمیز ملی:

بہ آشیان نہ نشینم زلذت پرواز
گہے بہ شاخ گلم، گاہ بر لب جویم[14]

من ازین رنج گرانبار چہ لذت یابم
کہ بہ اندازہ آن صبر وثباتم دادند[15]

مفتی الہی بخش کا خاندان

مولانا کاندہلہ کی مشہور علمی وروحانی شخصیت مفتی الہی بخش کی اولاد میں سے ہیں، مولانا کے والد حضرت مولانا افتخار الحسن کاندہلوی دامت برکاتہم عالم با عمل، مرد

---

١٤ ترجمہ

١٥ ترجمہ

صالح اور صاحب ارشاد ہیں، اور شاید خاندان شیوخ کاندہلہ میں سب سے زیادہ قابل احترام اور معزز بزرگ ہیں، مولانا افتخار الحسن صاحب کو حدیث الرحمۃ المسلسل بالأولیۃ کا سماع نابینا عالم شیخ سعادت خان دیوبندی سے ہے، جو قاری عبد الرحمن پانی پتی کے شاگرد تھے، یہ مسلسل بالأولیۃ کی عالی اور نادر سند ہے، آپ نے سہارنپور میں حضرت مولانا زکریا کاندہلوی اور اس دور کے دوسرے علماء سے دورہ حدیث کی کتابیں پڑہیں، آپ کی سب سے اونچی روایت شیخ علاء الدین پہلتی سے ہے جو شاید براہ راست مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادي کے شاگرد تھے، میرے علم میں اس وقت ہندوستاں میں کوئی دوسرا عالم نہیں جو مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی سے بیک واسطہ روایت کرتا ہو، میں نے اسی سفر میں کاندہلہ میں آپ کی زیارت کی، آپ سے اجازت لی، اور دعائیں لیں.

تھانہ بہون کی یہ ملاقات مولانا سے میری دوسری ملاقات تہی، سامنے لب سڑک ایک مسجد نظر آئی، مولانا نے فرمایا کہ اسی میں بیٹھکر گفتگو کرتے ہیں، مولانا نے مسجد کے اندرونی ہال میں مٹھائیوں، سموسوں، بعض مشروبات اور چائے سی ہماری ضیافت کی، عام طور سے اس طرح کی علمی نشستون میں میرا معمول نوٹس لینے کا رہا ہے، مگر افسوس کہ اس بار نوٹس نہ لے سکا، یہ نشست تقریبا ایک گھنٹے کی رہی اور مختلف علمی موضوعات پر گفتگو رہی، کچھ باتیں مجھے یاد رہیں، اور کچھ بھول گئین.

مولانا کی علمی تصانیف

مولانا اس وقت سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ پر ایک محققانہ کتاب تصنیف فرما رہے ہیں، جس میں سرسید سے متعلق اپنے خاندان کی ان دستاویزات کو شامل کر رہے ہیں جن کی اب تک کہیں اشاعت نہیں ہوئی ہے، میں نے اس کے بارے میں مولانا سے استفسار کیا، فرمایا کہ اس پر ابھی کام جاری ہے، مولانا کی اہم تصنیفات میں تذکرہ حضرت مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی، تذکرہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلي نانوتوی، تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی، قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی، اور باقیات فتاوی رشیدیہ قابل ذکر ہیں.

مولانا کا کتبخانہ

کاندہلہ میں آپ کا کتبخانہ اہم علمی کتب پر مشتمل ہونّے کے ساتھ نوادر مخطوطات کا ایک قیمتی خزانہ ہے، اس کی تفصیلات مولانا کے ذہن میں محفوظ ہیں، اس میں تقریبا اٹھارہ انیس ھزار مطبوعات، اور اٹھارہ سو مخطوطات ہیں، اور ہزارہا اخبارات ورسائل ہیں، جن میں سے بعض اخبار ورسائل کی بیس بیس، تیس تیس سال کی فائلین ہیں، مخطوطات میں سب سے پرانا نسخہ (الاستغناء في أسماء المعروفين بالغنى لابن عبد البر) کی تلخیص ہے، جو علامہ محمد بن أبي الفتح البعلي الحنبلي کی تصنیف ہے، یہ مخطوطہ خود مصنف یعنی البعلي کے قلم سے سنہ ٦٨٦ھ کا لکھا ہوا ہے، بخاری شریف

کے متعدد نسخے ہیں، جن میں سے ایک نسخہ جو دو جلدوں میں ہے، نہایت عمدہ اور نہایت خوبصورت لکھا ہوا ہے، یہ سنہ ۸۷۲ھ کا ہے، (قضاء الوطر شرح نخبة الفكر) تصنیف علامہ ابراہیم اللقاني المالكي مکتوبہ محرم سنہ ۱۰۹۷ھ، یہ نسخہ شاہ ولی اللہ کے استاد علامہ ابو طاہر کردی کے کتبخانہ میں رہا ہے، اس پر ان کی مہر ثبت ہے.

شاید میرے لئے سب سے زیادہ حیرت انگیز خوشی کی بات یہ تھی کہ مولانا کے پاس حافظ ابن حجر عسقلانی کی (هدى الساري) کا ایک نسخہ موجود ہے، جو اب تک معلوم دنیا میں سب سے قدیم نسخہ ہے، هدى الساري سنہ ۸۱۳ھ میں تالیف ہوئی، یہ نسخہ محرم سنہ ۸۲۰ھ کا لکھا ہوا ہے، اس کو محمد بن أبي الجاه حضری نے مدرسہ ناصریہ قاہرہ میں نقل کیا تھا، یہ نسخہ کم سے کم سنہ ۸۲۳ھ تک حافظ ابن حجر کے اپنے مطالعہ میں رہا ہے، اس پر حافظ نے بے شمار اصلاحات وترمیمات واضافات کئے ہیں، اس پر اجازات وسماعات بھی ہیں، مولانا نے اس نسخہ کے تعارف میں معارف دار المصنفین میں فروری سنہ ۲۰۱۷ - مئی ۲۰۱۷ میں چار قسطون میں ایک تفصیلی مضمون شائع کیا ہے، پہلی قسط شمارہ فروری میں ابن حجر کی تحریر اور دوسرے حوالوں کی بنا پر ایک اہم معلومات فراہم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"فتح الباری حافظ ابن حجر کی شروحات صحیح بخاری میں سے دوسری کتاب یا اوسط شرح کا نام ہے، حافظ نے اول صحیح بخاری کی ایک مفصل شرح

لکھنی شروع کی تھی جو مکمل نہیں ہوئی، دوسری فتح الباری ہے، تیسرا فتح الباری کا خلاصہ یا مختصر صحیح بخاری تہی، یہ بہی مکمل نہیں ہوئی، مگر دونوں کے نا تمام نسخے دریافت ہیں، بڑی شرح کے ارادہ سے صحیح بخاری کے مطالب ومقاصد کی تنقیح وترتیب کے لئے حافظ ابن حجر نے ایک بہت مفصل جامع اور عظیم مقدمہ لکھا تھا، اگر چہ یہ مفصل شرح مکمل ہو کر امت کے ہاتھوں میں نہیں آئی، مگر اس شرح کے لئے جو مقدمہ لکھا گیا تھا وہ ھدی الساری کے نام سے صحیح بخاری کے نکات ومعضلات حل کرنے میں دنیا بہر کے حدیث کے طالبعلموں کی مدد اور رھنمائی کر رہا ہے" (ص ۸۷).

محدثات اور صحیح مسلم کی شرح

میں نے اپنی تصنیف محدثات کے مقدمہ انگریزی کا ایک نسخہ پیش کیا جسے مولانا نے وقیع تعریفی کلمات کے ساتھ قبول کیا،

فضائل اعمال کی تخریج

میں نے صحیح مسلم کی شرح کے پروجکٹ کا بہی تعارف کرایا، اور یہ عرض کیا کہ میرا ارادہ فضائل اعمال کی موضوع اور منکر احادیث کو الگ سے تحقیق کے ساتھ ایک کتاب کی شکل میں شائع کرنے کا ہے، مولانا نے فرمایا کہ حضرت شیخ مولانا زکریا رحمۃ

اللہ علیہ کو بھی فضائل کی اس کمی کا احساس تھا، اس پر بہت سے لوگوں نے کچھ کام کئے ہیں جو خاطر خواہ نہیں ہیں، بعض ندویوں نے اس کی تعریب کی، لیکن اس میں سے قابل اشکال مواد حذف کردیئے، کسی صاحب نے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے اس پر تفصیلی کام کرنے کی اجازت طلب کی تھی، تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ کام صرف راشد کرسکتا ہے، مولانا نے فرمایا کہ اس طرح اس پر کام کرنے کا میرا حق ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں کام کرتا ہوں، آپ نظر ثانی کرکے ایک مقدمہ تحریر کردیجئے گا، مولانا نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا، اور اس موضوع پر اب تک جو کچھ کام ہوا ہے اس کی طرف میری توجہ مبذول کی.

مجلس کے خاتمہ پر مولانا نے سہارنپور کی راہ لی، اور ہم نے دلی کی، اور میں سوچتا رہا کہ اگر مولانا کے کچھ رفقاء ہوتے تو شاید کام کو بڑھانا آسان ہوتا، لیکن: **إذا عظم المطلوب قل المساعد**، اور تحقیقی کام ہے ہی تنہا کرنے کا، اور صبر سے کرنے کا:

خزاں کیا، فصل گل کہتے ہیں کس کو، کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں، قفس ہے، اور ماتم بال وپر کا ہے

کاش کے مدارس کے نوجوان فضلاء اور ہونہار طلبہ مولانا سے اس تحقیقی ذوق کی تربیت حاصل کرتے، میری خواہش ہے کہ مولانا انگلینڈ تشریف لائیں، اور ہم آپ سے اچھی طرح استفادہ کرسکیں، افسوس کہ مدارس اور عام تعلیمی اداروں میں اس

وقت علم و تحقیق کا رجحان ماند پڑتا جا رہا ہے، مدرسین پر تقریر و خطابت کا رنگ غالب ہے، اھل قلم صحافی بنتے جا رہے ہیں، اور سیاست بازی نے رہی سہی کسر بہی نکال دی ہے، ھائے افسوس کہ اخبار و مجلات بلکہ انٹرنٹ اور واٹس اپ نے علم و تحقیق کا خاتمہ کردیا، جو محقق وعالم اٹھتا ہے اس کی جگہ لینے والا کوئی نہیں، محنت طلبی ناپید ہو رہی ہے، اور آرام طلبی کا دور دورہ ہے.

لا تحسب المجد تمرا أنت آكله

لن تبلغ المجد حتى تلعق الصبرا[16]

سینہ گرم نداری مطلب صحبت عشق

آتشے نیست چو در مجمرہ ات، عود مخر[17]

---

١٦ ترجمہ

١٧ ترجمہ

حیدر آباد روانگی

تقریبا ایک بجے دوپہر کو ہم لوگ تھانہ بھون سے دلی کے لئے روانہ ہوئے، یوپی اور ہریانہ کے علاقوں سے ہوتے ہوئے پانی پت کے قریب سے ہمارا گزر ہوا، تھوڑی دیر کے بعد ایک گاؤں میں رک کر ظہر وعصر کی نماز قصرا وجمعا ادا کی، مسجد زیادہ بڑی نہیں تھی، اس میں ایک مکتب تھا اور پڑھائی ہو رہی تھی، اس مسجد میں غسل خانے بہت تھے، ہم نے قاری ندیم صاحب سے اس پر اپنے تعجب کا اظہار کیا، انہوں نے بتایا کہ اس علاقہ کے لوگ عام طور سے مسجدون میں آکر غسل کرتے ہیں، اس لئے یہاں مسجدون کے اندر غسل خانے کثرت سے ہیں، مسجد میں ہم نے تھوڑی دیر آرام کیا، قاری ندیم صاحب نے یہیں کھانا منگوادیا، ہم نے کھانا کھاکر چائے پی، اور پھر یہاں سے روانہ ہوئے.

مسجد میں کھانا کھانے کے لیئے اعتکاف

بر صغیر میں ایک نئی بات عام ہوتی جا رہی ہے کہ اگر مسجد میں کھانا کھانا ہو تو اعتکاف کی نیت کرنی چاہیئے، یہ صحیح ہے کہ مسجد اللہ تعالی کی عبادت کا گھر ہے، اور ہر مسلمان کو اس کی حرمت اور اس کے آداب کا لحاظ کرنا چاھئے، لیکن ضرورت پر مسجد میں کھانے میں کوئی حرج نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضي الله عنهم اور سلف صالح نے ضرورت پر مسجدوں میں کھانا کھایا ہے، اور اس کے لئے نیت

اعتکاف کا تکلف نہیں کیا، کہانے کے لئ اس قسم کی نیت کرنا اعتکاف کی عظمت سے نا واقفیت کی دلیل ہے، افسوس کہ ہم نے اس دین کو اپنی حیلہ تراشیوں اور ناعاقبت اندیشیون سے جو نقصان پہنچایا ہے اس کا ہمیں احساس ہی نہیں، یہ نتیجہ ہے علم بے بحث و تحقیق، فقہ بے بصیرت وتوفیق اور جسم خالی از عقل پاک ودل صاف ورقیق کا.

زکنج صومعہ حافظ مجوی گوہر عشق

قدم برون نہ اگر میل جست وجو داری[۱۸]

یہاں سے دلی زیادہ دور نہیں تہی، لیکن ٹریفک کی وجہ سے سات بجے کے قریب ایرپورٹ پر پہنچے،

لقمان ندوی صاحب

راستہ میں عزیز گرامی لقمان ندوی صاحب کا فون آگیا کہ ایرپورٹ پر آکر ملنا چاہتے ہیں، لقمان صاحب ندوہ میں میرے شاگرد ہیں، اس کا علم مجھے انہیں کی زبانی ہوا، اور یہ ان کی بڑائی کی دلیل ہے، انہوں نے بتایا کہ وہ سات بجے کے قریب ایرپورٹ پر پہنچ جائین گے، میں آٹھ بجے تکا انتظار کرتا رہا، لیکن ٹریفک کی وجہ سے انہیں تاخیر ہوگئی،

---

۱۸ ترجمہ

اب میں اور میرے ساتھی سیکوریٹی چیکنگ کے لئے لائن میں لگ گئے، اس دوران ان کا فون آیا کہ ایرپورٹ کے باہر میرا انتظار کر رہے ہیں، میں نے لقمان صاحب سے با دل نا خواستہ معذرت کردی، انہوں نے زیادہ اصرار نہیں کیا، اور واپس چلے گئے، مجھے اس کا رنج رہا کہ کوئی اتنے شوق سے ملنے آیا اور میں اس سے مل نہ سکا، مجھے شبہہ ہوا کہ شاید لقمان صاحب بد ظن ہوجائین گے، لیکن بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ لقمان صاحب نے اسے اہمیت نہیں دی، اور انہوں نے ربط قائم ہی نہیں رکھا، بلکہ مجھ سے تعلق میں شرافت کا معاملہ کیا، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ لقمان صاحب مدرسہ "وإذا مروا باللغو مروا کراما" کے پروردہ، اور "کن محتالا لزلتہ عذرا" کی آبرو کے محافظ ہیں.

سیکوریٹی چکہ کے بعد اندر جانے پر معلوم ہوا کہ فلائٹ لیٹ ہوگئی ہے، اور جہاز اب ۹ بجے کے قریب روانہ ہوگا،

محترمہ عظمی ناہید صاحبہ

میرے پاس کچھ وقت تھا، اس لئے یہیں سے محترمہ عظمی ناھید صاحبہ اور محترم جناب ساجد پیرزادہ صاحب سے فون پر بات کی. حیدرآباد کے اس سفر کے انتظام میں عظمی باجی کی تحریک شامل تہی، عظمی باجی ایک مشہور علمی خانوادہ کی ایک شریف اور مہذب خاتون ہیں، اخلاق وآداب میں رشک حور بہشتی، طہارت قلب ونظر میں پرتو

کرو بیان، علو ہمت و بلند حوصلگی میں نظیر شہان، حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں، استاذ محترم مولانا سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کی صاحبزادی مریم نظیر، اور محترم جناب سلمان غازی صاحب کی رفیقہ حیات وکار، اس خاندان سے میرے تعلقات ومراسم ہیں، عظمی باجی IIWA (Iqra international Women's Alliance) کی صدر ہیں، اور مسلم پرسنل لا بورڈ اور مجلس مشاروت کی فعال ممبر، عورتوں کی تعلیمی اور معاشی ترقی کے لئے کوشان، اور اس کے لئے پورے ملک میں اور ہندوستاں کے باہر مستقل سفر کرتی رھتی ہیں، کئی بار انگلینڈ بہی آچکی ہیں، اور کیمبرج اسلامک کالج اور السلام انسٹیٹیوٹ میں میرے شاگردوں اور دوسرے حاضرین سے خطاب بہی کیا:

میں اپنے آپ ہی اپنا جہاں بناتی ہوں
نئی زمیں نیا آسمان بناتی ہوں

عظمی باجی کی دعوت پر ایک بار بمبئی حاضری ہوئی تہی، میرے لئے ایک اہم اجتماع کا انعقاد کیا تھا، جس میں میری ایک تقریر ہوئی اور مجہے اپنے والد محترم مولانا سالم صاحب کے ھاتہوں ایک انعام سے بہی نوازا تھا، عورتوں کی تعلیمی ترقی کے متعلق عظمی باجی اور مجہ میں توافق وہم آہنگی ہے، ان کی خاندانی شرافت اور ان کی مخلصانہ جد وجہد کی میری نگاہ میں خاص قدر ہے، اور اس سلسلہ میں میرا عمل غالب کے اس قول پر

ہے:

"صوفی صافی ہوں، اور حضرات صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں، گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی" (خطوط غالب ص ۲۷۹).

ساجد پیرزادہ صاحب

عظمی باجی ہی نے پیرزادہ صاحب سے میرا ربط کرایا، اور فرمایا کہ حیدرآباد میں وہی میرے قیام اور پروگراموں کی ذمہ داری سنبھالیں گے، گلستان کے مشہور جملہ "بر ظاہرش عیب نمی بینم ودر باطنش غیب نمی دانم" کی مصداق شخصیت کا تعارف آسان نہیں ہے، حیدرآباد ہر لمحہ ان کی معیت میں گزرا، بلکہ حیدرآباد کے سفر کی جان وہی تھے، مرد کریم النفس وخرد مند، صاحب فضل وبلاغت، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں متبع رسم ظریفاں:

دوستو اس چشم ولب کی کہو جس کے بغیر
گلستان کی بات رنگین ہے نہ مے خانے کا نام

پیرزادہ صاحب طریقت وتصوف کے ایک مشہور خاندان کے چشم وچراغ ہیں، ان کے والد معظم سیدہدایت اللہ صاحب نے سجادہ نشینی چھوڑ کر علم وتبلیغ کی راہ اختیار کی، ساجد پیرزادہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، گھر پر اردو، فارسی اور ابتدائی عربی سیکھی، المدرسۃ العالیۃ میں داخلہ لیا جس میں نظام دکن

کے خاندان کے بیشتر افراد پڑھتے تھے، عثمانیہ یونیورسٹی سے بی ایس سی کی، جامعہ دار العرفان سے عربی اور اسلامیات کی سند لی اور تفسیر کے خصوصی اسباق پڑھے۔

دکن مرجع علماء وفضلاء وشعراء

میں ایرپورٹ پر بیٹھے بیٹھے حیدرآباد کے ماضی تا بنا کر متعلق سوچنے لگا، یہ حیدر آباد کا میرا پہلا سفر تھا، میرے ذہن میں وہ منظر و مشہد تازہ ہوگیا کہ کس طرح سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد دکن مرجع علماء وفضلاء وشعراء بن گیا تھا۔

تھا ذوق پہلے دلی میں پنجاب کا سا حسن
پر اب وہ پانی کہتے ہیں ملتان بہہ گیا

وہ پانی ملتان بہ کر گیا کہ نہیں، لیکن وہ حیدرآباد یقینا بہہ کر گیا، اور کثرت سے دلی ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستاں سی اھل علم وفضل حیدر آباد کا رخ کرنے لگے، اور دیکھتے دیکھتے حیدر آباد مجمع ہنر مندان ومرکز دانشوران بن گیا، گو بہت سے با کمال نے پھر بھی دلی میں قیام کو ترجیح دی:

آج کل گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

تقریبا نو بجے ہم جہاز میں سوار ہوئے، پرواز کے دوران سوچتا رہا کہ پیر زادہ صاحب نے عثمانیہ یونیورسٹی کے گیسٹ ہاؤس میں میری رہائش کا انتظام کیا ہے،

عبد الحی ندوی

حیدر آباد میں برادر مکرم عبد الحی ندوی کی صاحبزادی اور اس کے شوہر ڈاکٹر فضیل ندوی مقیم ہیں، عبد الحی کی خواہش تہی کہ میں وہاں قیام کروں، عبد الحی کا ارادہ تھا کہ اس سفر کے بعض مرحلون میں میرے ساتھ ہوتے، غیر متوقع حالات کی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا، لیکن عبد الحی سے ہمہ وقت رابطہ رہا، اور ان کے مشورون کی ضرورت پڑتی رہی، عبد الحی کا نام آتے ہی میرے اندر دوستی و محبت کی یادین بیدار ہو جاتی ہیں:

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

عبد الحی سے صرف میرے دوستانہ تعلقات نہیں، بلکہ عبد الحی کے میرے اوپر بہت احسانات ہیں، مجھ پر ایسے حالات آئے ہیں جبکہ اعزہ واقارب اور اچھے اچھے دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، عبد الحی نے ان سنگین اوقات میں میرا جس طرح ساتھ دیا اور میری جس طرح مدد کی، یہ وہ احسانات ہیں جنہیں میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا اور نہ ان سے سبکدوش ہوسکتا ہوں:

بلندی کا اس کی بھلا کیا ٹھکانا
بلا دوسرے کی جو سر اپنے لے لے

عبد الحی کی کسی خواہش کا احترام میرے لئے دلی تسکین کا باعث ہے، اس کے باوجود عبد الحی کے اندر نہ کوئی ثقالت ہے، اور نہ ان کا وجود بار گران، بلکہ میرے اور عبد الحی کے درمیاں دوستانہ بے تکلفی آج تک برقرار ہے، عبد الحی ان چند لوگوں میں سے ہیں جن کی صحبت کی شگفتگی کبھی ماند نہیں پڑتی، اور جن کی سخنہائے رنگین کی دلآویزی کبھی کم نہیں ہوتی:

زوصف حسن تو حافظ چگونہ نطق زند
کہ ہمچو صنع خدائی وراے ادراکی[۱۹]

کیا سمجھایا جائے اسے جس نے عبد الحی کو دیکھا نہیں، یا جس نے عبد الحی کے ساتھ کوئی وقت نہیں گزارا: با تو چہ گویم کہ تو مجنون نہ ئی

معشوق را بدیدہ ئی عشاق بنگرید
حسن گلان بچشم عنادل سپردہ اند[۲۰]

احمد سعید صاحب

رات گیارہ بجے کے قریب جہاز حیدرآباد ایرپورٹ پر اترا، اس دوران پیرزادہ صاحب

---

۱۹ ترجمہ

۲۰ ترجمہ

کا فون آتا رہا کہ ان کے ایک مخلص دوست اور حیدرآباد کے مخیر باثروت صالح جوان احمد سعید صاحب ایرپورٹ پر میرا استقبال کرنے کے لئے موجود ہیں، باہر نکلکر سعید صاحب سے ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادہ بہی تھے جو انگلینڈ میں زیر تعلیم ہیں، سعید صاحب نے فرمایا کہ تاخیر ہوگئی ہے اس لئے رات میں میرا قیام انہیں کے گہر پر ہوگا، سعید صاحب حیدرآباد کے رہنے والے اور مرحوم مرد خدا ترس وکرم خو سلطان محمود محيي الدين کے فرزند ارجمند ہیں، انگلش میڈیم سے تعلیم حاصل کی، بی کام کیا ہے، نیک فطرت انسان، کامیاب تاجر، سخی، دریا دل اور فلاحی کاموں میں پیش پیش ہیں، مزاج میں شرافت ہے، اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہیں، یہاں قیام کے دوران سعید صاحب کی بہت سی خوبیوں کا علم ہوا، حیدرآباد اور آس پاس کی بہت سی مسجدوں کی تعمیر اور تعلیمی اداروں میں ان کا خاص تعاون ہے، حیدرآباد زکوۃ ٹرسٹ کے رکن ہیں، اپنی خوش مزاجی اور علماء وفضلاء کی خدمت اور مہمان نوازی کے لئے مشہور ہیں، غرض طریق درویشاں "ذکر وشکر وخدمت وطاعت وایثار وقربانی، وصبر وتحمل" کا مظہر ہیں.

ختم نبوت اور رد قادیانیت کے سلسلہ میں فکر مند ہیں، ارتداد کے شکار مسلمانون کی بازیابی کے لئے بہت محنت کی، اور اس کے لئے گاؤں گاؤں اور دور دراز آبادیون کا سفر کیا، غریب بھولے بھالے دیہاتی مسلمانون کے درد نے سعید صاحب کو بیچین کردیا

ہے، تلنگانہ کے اندرونی علاقوں میں اصلاح ودعوت کا جو کام انہوں نے کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے، اس سفر میں سعید صاحب سے زیادہ کامیاب مبلغ و مخلص داعی مجھے نہیں ملا، اللہ تعالی موصوف کے عمل کو قبول کرے اور ہمیں بھی اس کا کوئی حصہ عطا کرے:

تزول الجبال الراسيات وقلبهم

على العهد لا يلوي ولا يتغير

گم شدہ اقتدار

حیدرآباد کی سڑکون سے گزر رہا تھا اور میں کسی اور جہاں کا خواب دیکھ رہا تھا، میں اس حیدر آباد کو تلاش کر رہا تھا جو مسلمانون کی تہذیبی اقدار کا امیں اور علم وفضل کا مرکز تھا، جس کی یادین اب تک میرے دل میں اسی طرح تازہ ہیں:

میرے دل وارفتہ حیرت کو ہے اب تک

اس نازش صد ناز کی ایک ایک ادا یاد

سعید صاحب کے دولتکدہ پر بارہ بجے کے بعد پہنچے، سعید صاحب نے بہت اصرار کیا کہ میں کچھ نوش کر لون، لیکن میں نے معذرت کرلی، وضو کیا اور مغرب وعشاء کی نماز پڑھکر سوگیا.

عثمانیہ یونیورسٹی

صبح سویرے اٹھا، اور سفر کی رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رھائش پر ھی فجر کی نماز ادا کی، کچھ دیر مزید آرام کرنے کے بعد غسل کیا اور تقریبا ۷ بجے تیار ہوکر استقبالیہ میں پہنچ گیا، وہاں پیر زادہ صاحب حیدر آبادی شیروانی اور ٹوپی میں ملبوس میرا انتظار کر رہے تھے، وجیہ اور پر کشش شخصیت کے مالک، جو دیکھے بلا ارادہ تعظیم پر مجبور ہوجائے، اور جسے حکم دین اسے بجا آوری میں کوئی تامل نہ ہو، عام طور سے ملنے سے پہلے اشخاص کے متعلق ہم جو خاکہ بناتے ہیں وہ اس سے مختلف ہوتے ہیں، اس کلیہ سے کچھ مستثنیات ہیں، اور پیر زادہ صاحب انہیں مستثنیات میں سے ہیں، ان کے بارے میں جو تصور قائم کیا تھا ویسے ھی نکلے، بلکہ اس سے زیادہ پر وقار وبا احترام.

ہم نے سعید صاحب کے مکان پر حیدر آبادی ناشتہ کیا، اور سامان لیکر ان کی گاڑی سے عثمانیہ گیسٹ ہاؤس روانہ ہوگئے، حیدر آباد کے قیام کے دوران آمد ورفت سعید صاحب کی گاڑی سے رہی، انہوں نے میری وجہ سے اپنے دو دن خالی کرلئے تھے، گیسٹ ہاؤس پہنچکر سامان اپنے کمرے میں رکھا اور وہیں بیٹھکر باتیں کرنے لگے، پیر زادہ صاحب کو دیکھکر گیسٹ ہاؤس کا سٹاف حرکت میں تھا، ٹھنڈے پانی اور چائے سے ہماری ضیافت کی گئی،

ڈاکٹر عائشہ فاروقی

تھوڑی دیر میں ڈاکٹر عائشہ فاروقی صدر شعبہ اسلامیات عثمانیہ یونیورسٹی ملاقات کے لئے تشریف لائین، انہیں کے شعبہ کی طرف سے عثمانیہ میں میرے لکچر کا اھتمام تھا. ڈاکٹر عائشہ فاروقی حیدر آباد کے ایک معزز گہرانے کی ہیں، آپ کے شوہر ڈاکٹر تیمور اطہر گزشتہ سال وفات پا گئے، رحمہ اللہ تعالی، وہ انڈین انسٹیٹیوٹ آف کیمیکل ٹکنالوجی کے نامور سائنسدان تھے، ڈاکٹر تیمور کے والد علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر رہ چکے ہیں، ڈاکٹر عائشہ بورڈ آف سوشل سائنسز کی بہی صدر اور چیرپرسن ہیں، انہوں نے کچھ وقت کیناڈا کی میکگل یونیورسٹی میں گزارا ہے، اور بہت سے ممالک کا علمی دورہ کر چکی ہیں، باتیں عالمانہ، ہمہ تن تواضع وخاکساری، طلبہ کی علمی پسماندگی کے لئے متفکر، خاص طور سے عورتوں کی تعلیم کے متعلق قوم کی بے حسی سے درد مند، محترمہ ان چند مسلم خواتین میں سے ہیں جنہوں نے حالات کی ناسازگاری، اور ہمت شکن ماحول کے باوجود اپنی علمی پیش رفت جاری رکھی ہے:

نہ ہر درخت تحمل کند جفائے خزاں
غلام ہمت سروم کہ این قدم دارد[۲۱]

---

۲۱ ترجمہ

ہمیں اس کا احساس تھا کہ عورتوں کی تعلیم وترقی کا پروجکٹ اتنا آسان نہیں، یہی نہیں کہ ساتھ دینے والے نہیں، بلکہ اس کی مزاحمت ومخالفت کرنے والون کا سامنا ہے، خاص طور سے جبکہ مخالفت کو دینی رنگ دیا جا رہا ہے:

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنین ہائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا[۲۲]

حافظ مکن شکایت گر وصل دوست خواہی
زین بیشتر پاید بر ھجرت احتمالے[۲۳]

پروفیسر محمد سلیمان صدیقی

ہم گفتگو میں مشغول تھے کہ پروفیسر محمد سلیمان صدیقی سابق وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی تشریف لائے، صدیقی صاحب کاندہلہ کے سربرآوردہ عالم وبزرگ و مصلح مفتی الہی بخش کی اولاد میں سے ہیں، مشہور عالم ومحدث مولانا ادریس کاندہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے چچا تھے، صدیقی صاحب سنہ ۲۰۰۵-۲۰۰۸ میں عثمانیہ یونیورسٹی کے

---

۲۲ ترجمہ

۲۳ ترجمہ

وائس چانسلر رہے، اور دوسرے اہم عہدون پر بھی فائز ہوئے، تصوف کی تاریخ آپ کا خاص موضوع ہے، آپ کی ایک اہم تصنیف ہے (1989) The Bahmani Sfis :، صدیقی صاحب نے اپنی کتاب (2014) The Junaydi Sufis of the Deccan کا ایک نسخہ راقم السطور کو ہدیہ کیا، اس کتاب پر مشہور مستشرق اور تصوف کی تاریخ کے ماہر کارل ڈبلیو ارنسٹ کا مقدمہ ہے.

عام مفروضہ ہے کہ دکن میں تصوف کی نشر واشاعت چشتیہ سلسلے کے بزرگون کی کوششوں کی رہین منت ہے، اس کتاب میں پہلی بار علمی طور پر دکن میں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ جنیدیہ کے اثرات دکھائے گئے ہیں، اور اس سلسلہ کے بزرگون کا شجرہ فراہم کیا گیا ہے، صدیقی صاحب نے تاریخی دستاویزات اور اصلی مراجع کی بنیاد پر گنج العلم محمد عین الدین کا جنیدی ہونا ثابت کیا ہے، نوین صدی ہجری اور بعد کے دکنی جنیدیوں کا یہ بہترین تاریخی تذکرہ ہے، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس میں بعض خواتین بھی شامل ہیں، کارل ارنسٹ مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ڈاکٹر محمد سلیمان صدیقی صاحب نے اس کتاب کی تیاری میں جو عظیم محنت کی ہے طلبہ اور محققین اس پر ان کے شکر گزار ہوں گے، اس محنت کی وجہ سے پہلی مرتبہ ان بنیادی قیمتی مراجع کی دستیابی اور ان تک رسائی ممکن ہوسکی. "

میں نے پروفیسر محمد سلیمان صدیقی اور محترمہ عائشہ فاروقی کی خدمت میں اپنی کتاب محدثات کے نسخے پیش کئی، اور اس کتاب کا مختصر تعارف کرایا، اس کے بعد ہم یونیورسٹی کے آرٹس کالج کی بلڈنگ میں پہنچے، اسی میں اسلامیات کا شعبہ ہے، اور یہیں پر یونیورسٹی کالج آف سوشل سائنسز کے سیمینّار ہال میں میرا لکچر ہونا طے تھا، پروفیسر سلیمان صدیقی صاحب کی صدارت میں پروگرام تقریبا گیارہ بجے شروع ہوا، محترمہ عائشہ فاروقی صاحبہ نے حاضرین کے سامنے میرا تعارف کرایا، یہ پروگرام انگریزی میں تھا، میں نے علم حدیث میں خواتین کی خدمات کے موضوع پر ایک گھنٹہ گفتگو کی، اور اس کے بعد کچھ دیر تک سوال وجواب کا سلسلہ رہا، عورتوں کی تعلیمی ترقی کی اہمیت کو جس طرح بہت سے علماء نے نظر انداز کیا ہے، اس کے متعلق تفصیل سے اس سفر نامہ میں آئندہ بات ہوگی: آہ کو چاھیئے اک عمر اثر ہونے تک

یہاں اتنا عرض ہے کہ جو دلیلیں مردوں کی تعلیم وتربیت کے حق میں دی جاتی ہیں بعینہ وہی دلائل ہیں عورتوں کی تعلیم وتربیت کی ضرورت کے، تعلیم انسان کو اس کی محدودیت سے نکالتی ہے، اور اسے خدا نے جو صلاحیتیں دی ہیں ان کا استعمال بتاتی ہے، عورتوں کو بھی انہی صلاحیتوں سے نوازنا اس کا قطعی ثبوت ہے کہ عورتیں بھی ان خدا داد صلاحیتوں اور قوی کو بروئے کار لائیں.

سامعین کے چہرے کے تاثرات اور ان کا جوش دیکھکر اندازہ ہوا کہ انہوں نے ان

معلومات کو قبول کیا اور اس کی اہمیت کا ادراک کیا، پروفیسر صدیقی صاحب نے اپنے صدارتی خطاب میں میرے لکچر کو بہت سراہا اور میری بڑی قدر افزائی کی، بلکہ یہاں تک فرمایا کہ "میں نے اپنی ستر سالہ زندگی میں اس سے زیادہ عالمانہ لکچر نہیں سنا". اللہ تعالی ستاری فرمائے، اور مجھے اس قول کا اھل بنائے.

پروگرام کے بعد حاضرین سے ملاقاتیں ہوئی، ہر ایک نے بڑی خوشی کا اظہار کیا، اور اس خطاب کی اہمیت پر زور دیا، خواتین خاص طور سے بہت پر جوش تھیں اور بار بار اپنی حیرت آمیز مسرت کا اظہار کر رہی تہیں، پیر زادہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ یہ لکچر بہت قیمتی تھا، اس سے اس موضوع کے مقصد کی طرف اہم پیش رفت ہوگی، یہ باتیں آپ نے نہیں کہیں بلکہ آپ سے کہلوائی جا رہی ہیں:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

سامعین میں کچھ ندوی فضلاء بہی تھے، ان سے بہی ملاقات ہوئی، یہیں پہلی بار عزیز گرامی فضیل ندوی سے ملاقات ہوئی، صدیقی صاحب نے مجھے یونیورسٹی کے مختلف حصے دکھائے، یونیورسٹی کی تاریخ پر روشنی ڈالی، اور اس کی عمارتوں کی خوبصورتی اور استحکام کی طرف توجہ دلائی، میں نے مشاہدہ کیا کہ یونیورسٹی سے متعلق تمام چھوٹے بڑے ہندو اور مسلمان تعلیم یافتہ حضرات وخواتین صدیقی صاحب کا غیر معمولی

احترام کرتے ہیں، پیر زادہ صاحب نے مجھ سے اس کی وجہ یہ بتائی کہ صدیقی صاحب کا علمی مقام، ان کی سچائی اور امانت داری سے سب لوگ بہت متاثر ہیں اور ان کے فضل کے معترف وقدر دان:

ناوک انداز جدہر دیدہ جانان ہون گے
نیم بسمل کئی ہون گے کئی بے جان ہون گے

ہم یونیورسٹی کے گیسٹ ہاؤس کی طرف بڑہے، اور ڈائننگ ہال میں صدیقی صاحب کے ساتھ لنچ کیا، وہاں بھی صدیقی صاحب کا وہی غیر معمولی احترام، میں نے ھندوستان، عالم عرب اوریورپ وامریکہ کے تعلیمی اداروں کا دورہ کیا ہے لیکن میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی پروفیسر یا علمی شخصیت کا وہ احترام ہو جو صدیقی صاحب کے لئے یہاں پایا، میں نے صدیقی صاحب سے اپنی اس حیرت کا اظہار کیا، انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی وائس چانسلری کے دوران پوری ایمانداری سے کام کیا، اس کی وجہ سے یہاں کے ہندو بھی ان کا ایسا ھی احترام کرتے ہیں جس طرح کہ مسلمان ان کی قدر کرتے ہیں.

جن پاکر نفس انسانوں میں کردار کی عظمت ہوتی ہے
ایسوں سے نہ مل پائیں بھی اگر، نادیدہ عقیدت ہوتی ہے

صدیقی صاحب نے ویزن آف عثمانیہ کی زیارت کرائی، یہ یادگاری میوزیم صدیقی

صاحب کا پروجکٹ ہے جسے انہوں نے اپنی وائس چانسلری کے دوران قائم کیا، جس میں عثمانیہ کے قیام سے اب تکی تاریخ اور عثمانیہ سے متعلق اہم معلومات کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اس میں قابل ذکر آصف جاہ میر عثمان علی خان کا خطبہ ہے جو انہوں نے سنگ بنیاد کے جلسہ میں پڑہا تھا، اس کو سونے کے فریم میں لگا کر رکھا گیا ہے، اسی طرح یونیورسٹی کے متعلق میر عثمان علی خان کے تمام فرامین یہاں موجود ہیں، اور اس میوزیم میں اب تک کے تمام وائس چانسلرز کی تصویریں اور ان کے خاکے بہی محفوظ کئے گئے ہیں.

اب ہم پروفیسر سلیمان صدیقی صاحب سے رخصت ہوئے، آپ نے بار بار تاکید کی کہ مجھے آئندہ زیادہ وقت لیکر آنا چاہیئے، اس ملاقات نے مجھپر صدیقی صاحب کے علم، فضل اور شرافت کے گہرے نقوش چھوڑے، میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ ندوہ میں صدیقی صاحب کے توسیعی خطبات کا اہتمام ہونا چاہئی تاکہ طلبہ ان کے اختصاص سے فائدہ اٹہا سکین، افسوس کہ مدارس کے طلبہ وفضلاء جدید درسگاہوں کے ماہرین سے نا واقف ہیں:

تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میر
سمجہے نہ ہم، تو فہم کا اپنے قصور تھا

ندوہ کے اہم مقاصد میں یہ ہے کہ قدیم وجدید تعلیم یافتہ طبقوں کے درمیاں دوری کم

کی جائے، انہیں ایک دوسرے سے قریب کیا جائے، اور ایک دوسرے سے استفادے کے مواقع فراہم کئے جائین، ندوہ کے قیام پر سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن بعض مجبوریون اور دشواریون کی وجہ سے اس اہم مقصد کے حصول کی سمت میں وہ پیش رفت نہیں ہوئی جس کی توقع تہی.

دائرۃ المعارف العثمانیۃ

تین بجے کے قریب ہم دائرۃ المعارف العثمانیۃ پہنچے، یہ وہ ادارہ ہے جس نے اپنی قیام کے روز اول یعنی سنہ ۱۸۹۱م سے حدیث، فقہ، رجال، تاریخ اور دوسرے علوم فنون کی نادر کتابیں پہلی بار تحقیق کے ساتھ نشر کیں، اور آج بہی علمی دنیا اس ادارہ کے فضل اور اس کی اسبقیت کی معترف وقدرداں ہے،

ڈاکٹر مہ جبین اختر صاحبہ

یہاں ہم نے دائرہ کی ڈائرکٹر ڈاکٹر مہ جبین اختر صاحبہ سے ملاقات کی، وہ صبح کے وقت یونیورسٹی میں میرے لکچر میں شریک تہیں، میں نے انہیں محدثات کا ایک نسخہ پیش کیا، مہ جبین صاحبہ ایک عالمہ، محققہ اور مصنفہ خاتون ہیں، انہوں نے کئی کتابوں کی تصنیف کی ہے، اور متعدد قدیم عربی مخطوطات کو اپنی تحقیق سے شائع کیا ہے، دائرۃ المعارف بہت دنوں سے جمود بلکہ زوال کا شکار رہا ہے، مہ جبین صاحبہ نے اس کی نشأت ثانیہ پر توجہ مرکوز کی ہے، اس راہ میں ان پر جو پریشانی آئی ہے وہ ہمت شکن

ہے، لیکن انہوں نے حوصلہ سے کام لیتے ہوئے اپنی مہم جاری رکھی، اہم بات یہ ہے کہ مہ جبین صاحبہ اس خدمت کے لئے کوئی مالی معاوضہ نہیں لیتیں، اور توجہ اور اخلاص کے ساتھ اس کام میں لگی ہوئی ہیں:

ہمت کے اعتبار سے تھا ہمسر فلک
یون دیکھنے میں گرچہ قد اس کا میانہ تھا

انہوں نے اس کے پریس کی زبوں حالی کا مشاہدہ کرایا، ساری مشینین دائرۃ المعارف کے ابتدائی دور کی ہیں، اور اب تک انہیں پر طباعت کا کام جاری ہے، دائرۃ المعارف حکومت اور مسلم قوم کی بے توجہی کا شکار ہے، مگر اس تہی دامنی کے باوجود مہ جبین صاحبہ کی ہمت قابل داد ہے:

بر خود نظر کشا ز تہی دامنی مرنج
در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند[۲۴]

اور ان کے اس عمل میں عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو صرف دوسرون کی شکایتین کرتے رہتے ہیں، اور جس قدر خود کر سکتے ہیں نہیں کرتے:

شکوہ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا

---

۲۴ ترجمہ

اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

ہم دائرۃ المعارف ہی میں تھے کہ مخدوم معظم پروفیسر محسن عثمانی ندوی کا فون آیا کہ وہ ملنا چاہتے ہیں، میرے لئے یہ بڑی خوشی کی بات تھی کہ بغیر کسی جد وجہد کے عثمانی صاحب سے ملاقات ہوجائے، ان کو یہیں مدعو کیا، ان سے ملاقات کی، اور پھر ہم نے یونیورسٹی گیسٹ ہاؤس میں جاکر علمی وسیاسی موضوعات پر گفتگو کی، میں نے عثمانی صاحب کو اپنی کتاب محدثات کا ایک نسخہ پیش کیا، پروفیسر صاحب نے میرے متعلق بہت بلند کلمات ارشاد فرمائے جو میری شان سے فزون تر ہیں لیکن میرے لئے نیک فال، عثمانی صاحب علم وادب کے اعیان میں ہیں، اور میرے اساتذہ کے درجہ میں، ان کی اردو کی تحریرین علمیت وادبیت کی جامع ہیں.

عثمانی صاحب عالم اسلام کی سیاسی صورت حال پر جس جرأت وبیباکی کے ساتھ اپنا موقف پیش کرتے ہیں اس میں صرف استاد محترم مولانا سلمان حسنی ندوی مد ظلہ العالی ان کے شریک ہیں، چونکہ سیاسی امور سے میری دلچسپی بہت کم ہے، اور اس سلسلہ میں میری معلومات ناقص ہیں، اس لئے عثمانی صاحب کی موافقت یا مخالفت کے بجائے ان کے موقف کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کی:

گو نہ سمجھون اس کی باتیں، گو نہ پاؤن اس کا بھید

پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کہلا

عثمانی صاحب کے رخصت ہونے کے بعد سعید صاحب اور پیر زادہ صاحب کی رائے یہ ہوئی کہ میں سعید صاحب کے مکان میں قیام کروں، میں اپنا سامان لیکر گیسٹ ہاؤس سے رخصت ہوا، آرام کرنے کے لئے نہیں بلکہ دوسرے پروگراموں میں شرکت کے لئے، بقول عرفی شیرازی:

خانہ زاد محنتیم آسودگی کم دیدہ ایم
آنچہ غیر از زخم بیند ما زمرہم دیدہ ایم
ہر کس از آئینہ ئے بیند جمال کار خویش
ما فروغ کار در پریشانی غم دیدہ ایم[۲۵]

---

۲۵ ترجمہ

حیدر آباد کی دوسری سرگرمیاں

سیاست اخبار

آج شام کو مولانا سید ابو الحسن علی ندوی میموریل سنٹر میں میرا ایک خطاب ہے، پیرزادہ صاحب کی خواہش تھی کہ میں پہلے سیاست اخبار کے ذمہ داروں سے ملاقات کر لوں، اس لئے عثمانیہ یونیورسٹی کے گیسٹ ہاؤس سے ہم سیدھے روز نامہ سیاست کے دفتر پہنچے، تقریبا ستر سال سے مسلسل نکلنے والی اس اخبار نے دنیائے صحافت میں اپنی منفرد پہچان بنائی ہے، اور گزشتہ ۲۵ سالوں سے صحافت کے علاوہ خدمت خلق اور تعلیمی، سماجی، ملی مسائل اور سیاسی حالات پر مسلمانون کی رھنمائی کر رھا ہے، اس کے مدیر اعلی محترم جناب زاھد علی خان صاحب سے ہم نے ملاقات کی، انہوں نے ادارہ سیاست کی دوسری متعدد تعلیمی وفلاحی سرگرمیون کا تعارف کرایا، جن میں لا وارثون کی تجہیز وتکفین، ضرورتمندون کی شادیون کا انتظام، طالبات کے لئے سکالرشپ کی فراہمی شامل ہے، یہاں سیاست کے ایک نمائندہ نے مجھ سے ایک انٹرویو بھی لیا.

یہاں ہم نے جناب ظہیر الدین علی خان صاحب سے بھی ملاقات کی جو روز نامہ سیاست کے مضبوط ستون ہیں، اور صحافت کے علاوہ بہت ساری ذمہ داریون کو

اوڑھے ہوئے ہیں، قابل ذکر کام جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ قرآن کریم کو آسان انداز میں انسانیت تک پہنچانا ہے، جس کے لئے انہوں نے ایک شعبہ قائم کرکے دنیا کی دس زبانوں میں قرآن کریم کے ۵۹ ترجمے اور مختلف تفسیرین آن لائن فراہم کی ہیں، ان سے اطراف واکناف عالم میں ہزاروں لوگ مستفید ہو رہے ہیں، ان مستفیدین میں تقریبا تیس فیصد غیر مسلم ہیں.

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی میموریل سنٹر

ہم نے سیاست کی عمارت کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑہی، اور تہوڑی دیر کے بعد ہم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی میموریل سنٹر پہنچے، جو حیدرآباد کی جامع مسجد معظم پورہ کے بالکل قریب واقع ہے، یہ میموریل سنٹر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد قائم کیا گیا ہے، جناب نعیم اللہ خان صاحب مرحوم سابق امیر تبلیغی جماعت حیدرآباد کو حضرت مولانا سے خاص تعلق تھا، انہی کی فکر کا نتیجہ ہے کہ یہ سنٹر قائم ہوا، سید غلام محمد انجینیر رکن مجلس شوری ندوۃ العلماء نے اس سنٹر کی ترقی میں خصوصی دلچسپی لی اور پورا تعاون کیا، ہمارے کرم فرما پیرزادہ صاحب بہی اس سنٹر کے اہم معاونین میں سے ہیں، اور اس سنٹر کو ان کی ذاتی توجہ حاصل ہے، سنٹر میں مخدوم معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی کئی بار تشریف لا چکے ہیں.

ڈاکٹر مولانا راشد نسیم ندوی

آج کل اس سنٹر کے صدر ڈاکٹر مولانا راشد نسیم ندوی صاحب ہیں، راشد صاحب میرے شاگرد، برادرم مکرم مولانا صہیب حسینی کے ہم زلف، ذہیں وبا صلاحیت عالم دین ہیں، ایفلو یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، یہاں کی ایک اہم اور مشہور تاریخی مسجد میں درس قرآن دیتے ہیں جس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں، ان کی کامیابی اور ترقی سے مجھے بیحد خوشی ہے، ان کی علمی ودعوتی سرگرمیون اور اخلاق وشرافت کی وجہ سے حیدرآباد میں ہر طرف ان کی تعریف سنی:

یا وہ عالم تھا کہ کوئی اس سے واقف ہی نہ تھا
یا یہ عالم ہے کہ عالم اس پہ مرجانے لگا

اکیڈمک زندگی کے ساتھ جس طرح وہ درس قرآن اور عوامی اصلاح کے کاموں میں حصہ لے رہے ہیں یہ وہ ان کا وہ کارنامہ ہے جو ندوہ کے حقیقی مقاصد میں ہے، اور جس کی وجہ سے میرے دل میں ان کی قدر ہے، ان کی نرم گفتاری، دل کی صفائی، اور اخلاق کی بلندی نے مجھے ان کا گرویدہ بنا لیا، دل چاھتا ہے کہ کاش ان کے ساتھ کچھ اور وقت گزارنے کا موقع مل جاتا، اور ان کی زندگی کے ان پہلوٴن سے مستفید ہوتا جن کی وجہ سے ساکنان حیدرآباد ان پر فدا ہیں.

حکایت از قد آن یار دل نواز کنیم

باین بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم[۲۶]

اس سنٹر میں پہنچے تو دیکھا کہ ندوی اور دوسرے علماء بڑی تعداد میں موجود تھے، مجھے اھل علم وصلاح کی اس مجلس میں شرکت کرنے کی سعادت کے حصول سے بڑی خوشی ہوئی، اور ایک خاص اپنائیت محسوس ہوئی، راشد صاحب نے تعارفی کلمات میں ایک مخلص اور با وفا شاگرد کا حق ادا کردیا، میری بعض تصنیفات کی خوبی بہی بیان کی، اس مجلس میں متعدد ندویوں نے میری کتاب "ندوہ کا ایک دن" کے متعلق اپنی پسندیدگی اور قدردانی کا ذکر کیا، اس کے بعد میں نے عصر حاضر میں علماء کی ذمہ داریون کے متعلق ایک مختصر خطاب کیا، اس طرف خاص طور سے توجہ دلائی کہ عصر حاضر میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں ان میں ان کی رھنمائی کسی رسمی اور تقلیدی حل سے ممکن نہیں، ضرورت ہے کہ علماء مجتہدانہ فکر کے ساتھ آگے بڑہیں اور قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کو سمجھیں اور ان کا حل دریافت کریں، اپنے پیشرؤن اور ہمعصرون کی تقلید سے بچیں، تقلید اھل علم کے لئے عیب کی بات ہے، کہنہ دماغ لوگ کسی قوم کے رھنما نہیں ہوسکتے:

کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت

۲۶ترجمہ

وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

نہایت افسوس کی بات ہے کہ عقل وفکر کی تنزلی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ علماء تقلید پر نازاں ہیں، تقلید کا مفہوم ہے بغیر دلیل کے کسی کی پیروی کرنا، اس کا جواز کہاں سے ہوسکتا ہے، لفظ تقلید نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر دلیل سمجھے اپنی پیروی کرنے سے لوگوں کو منع کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس کثرت سے امام صاحب کے شاگردون نے آپ سے اختلاف کیا ہے، اس کی نظیر بہت کم ہے، صحیح بات یہ ہے کہ ایک حنفی وہ ہے جو دلیل کی پیروی کرے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سوچے، قرآن کریم نے بار بار غور وفکر اور تدبر ونظر پر ابھارا ہے، اور عقل سب سے شریف جوہر انسانی ہے، اس کا استعمال کئے بغیر ہدایت ربانی کے منافع حاصل نہیں ہوسکتے "ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون".

یہ مجھ سے سن لے تو رازِ پنہاں، سلامتی خود ہے دشمن جان
کہاں سے رہرو میں زندگی ہو کہ راہ جب پر خطر نہیں ہے

اس مختصر تقریر کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا، اور میں نے آج کی تلخ نوائی کی توجیہ پیش کی:

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

حاضرین سے ملاقات کی، ان میں سے کئی ندوی میرے شاگرد رہ چکے ہیں، حیدرآباد میں علم ودین کی خدمت میں مشغول ندویوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھکر بڑی خوشی ہوئی، راشد نسیم صاحب جس طرح اس شہر میں علمی واصلاحی سرگرمیون میں مشغول ہیں، امید ہے کہ دوسرے ندوی بہی خود کو اکیڈمک لائف تک محدود نہ رکہیں، اور جگہ جگہ درس قرآن جاری کریں، اس زمانہ کا انقلابی کام یہی ہے کہ امت کو کتاب الہی سے جوڑا جائے، خاص طور سے اس ماحول میں جبکہ نا خدا ترسون اور جزئیات پرستون نے ان مسائل کی بنیاد پر جن کی کتاب الہی اور سنت نبوی میں کوئی بنیاد نہیں ہے تکفیر وتفسیق وتبدیع وتضلیل کا بازار گرم کر رکہا ہے، اور امت کا شیرازہ منتشر کرکے اسے چہوٹی چہوٹی ٹکڑیون میں تقسیم کردیا ہے:

یہ سچ ہے کہ حالت ہماری زبون ہے
عزیزون کی غفلت وہی جون کی تون ہے
جہالت وہی قوم کی رھنموں ہے
تعصب کی گردن پہ ملت کا خون ہے
مگر اے امید اک سہارا ہے تیرا
کہ جلوہ یہ دنیا میں سارا ہے تیرا

جناب محمد ہدایت اللہ

ہم یہاں سے پیر زادہ صاحب کے والد ماجد جناب محمد ہدایت اللہ دامت برکاتہم سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے، ایک نورانی اور صالح بزرگ، جن کو دیکھکر خدا کی یاد آئے:

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا بہرا ہوتا ہے اھل دل کے سینون میں

آپ کا تعلق سادات کے ایک مشہور خاندان سے ہے، حضرت علی وحضرت فاطمہ رضي الله عنہما کی اولاد میں سے ہیں، شرافت خاندانی کے ساتھ صلاح وتقوی سے متصف ہیں، عثمانیہ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی، اساتذہ میں پروفیسر حمید اللہ اور محمد پکتھال وغیرہ اھل علم ہیں، مولانا عبد القادر رائپوری، مولانا محمد یوسف کاندہلوی، مولانا عبد الماجد دریابادی اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی تعلقات رہے ہیں، مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ قیام حیدرآباد کے زمانہ میں آپ کے پڑوسی رہ چکے ہیں، اور آپ کے گھر بہی تشریف لا چکے ہیں:

آکہ وابستہ ہیں اس حسن کی یادین تجھ سے
جس نے اس دل کو پری خانہ بنا رکھا تھا

میں نے حضرت سے اپنے لئے خصوصی دعاؤں کی درخواست کی، اور دس بجے رات کے قریب سعید صاحب کے مکان پر واپسی ہوئی، وہیں ہم نے کہانا کہایا، اور پیرزادہ صاحب اور سعید صاحب کی سرگرمیون کے متعلق مزید تفصیلات معلوم ہوئین،

سونے سے پہلے برادرم عبد الحی صاحب سے فون پر بات ہوئی، یہاں کی مشغولیات بتائین، اور عرض کیا کہ فضیل میاں کے یہاں جانے کی بظاہر گنجائش نہیں ہے، عبد الحی نی معذرت قبول کی.

مولانا عبد الرشید ندوی

صبح سویرے اٹھکر غسل کیا اور فجر کی نماز پڑہی، سویرے ہی حیدرآباد کے رہنے والے مولانا عبد الرشید ندوی ملاقات کے لئے تشریف لائے، مولانا جامعۃ الإمام أحمد بن عرفان الشہید کٹولی کے فارغ ہیں، کل عثمانیہ میں میرے لکچر میں بہی شریک تھے، علم وحدیث سے خصوصی اشتغال ہے، انہوں نے کچھ علمی سوالات کئے جن کا مناسب جواب دیا، انہوں نے بتایا کہ مولانا کمال اختر ندوی اور ہمارے ساتھی ولی اللہ سے میری بہت تعریف سنی ہے، میں نے کہا کہ حسن ظن کی وجہ سے بسا اوقات صرف خوبیاں نظر آتی ہیں اور کوتاھیوں سے انسان صرف نظر کرلیتا ہے، یہ اللہ تعالی کی ستاری ہے، اللہ تعالی صلاح وتقوی نصیب کرے.

صبا عبد الحی نوری

اس دوران فضیل میاں بہی تشریف لائے، انہوں نے بتایا کہ ان کی اہلیہ یعنی برادر مکرم عبد الحی کی صاحبزادی صبا عبد الحی نوری کی بڑی خواہش ہے کہ میں ان کے یہاں تہوڑی دیر کے لئے حاضر ہوجاؤں، صبا نے نور الاسلام نسواں لکھنؤ سے

عالمیت کی ہے، فلاحی کاموں میں خصوصی دلچسپی رکھتی ہیں، صلاحیت اچھی ہے اور مسائل مستحضر ہیں، دینی تعلیم وتربیت میں محلہ کی خواتین کی مرجع ہیں، فضیل میاں نے بتایا کہ وہ بھی کبھی کبھی صبا سے استفسار کرتے ہیں، اور وہ ان کی علمی اصلاح کرتی رہتی ہیں، اس سے میرے ذھن میں ھشام بن عروہ وغیرہ علماء کے نام تازہ ہوگئے جنھوں نے اپنی بیویوں سے علم اخذ کیا، ان سے روایت کی، اور اس حقیقت کا برملا اظہار کیا، اپنے گھر آنے کی لئے صبا کا اصرار شرافت وبلندی کی دلیل ہے کہ اپنے والد کے تعلق کا اس قدر احترام کر رہی ہیں، اللہ تعالی صبا کے علم وعمل میں ترقی دے:

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز درون
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنون
مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

فضیل میاں

فضیل میاں ندوہ سے فارغ ہیں، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد سے پی ایچ

ڈی کی ہے، ڈاکٹریٹ کے مقالہ کا عنوان ہے: "القضایا الاجتماعیة في روایات نجیب محفوظ" ، فضیل میاں مولانا آزاد فیلوشپ ایوارڈ یافتہ ہیں، اس وقت سینٹ جارجس کالج حیدرآباد میں لکچرر ہیں، اور مسجد انتظام جنگ میں امام وخطیب ہیں، فضیل میاں سے ان کی سرگرمیوں کا علم ہوا، ان کے سوالات کا جواب دیا، اور ان سے طبیعت بہت مانوس ہوئی، خاص طور سے ان کی تواضع، خلوص، نرم خوئی اور اپنائیت نے متاثر کیا:

جس قوم میں اس شان کے خود مست جوان ہون
اس قوم کی ہے شام بہی پاکہ اور سحر بہی

جناب یاور بیگ صاحب

ناشتہ کے بعد پیرزادہ صاحب اور سعید صاحب کی معیت میں ہم نے سیاست اخبار کے ظہیر الدین صاحب سے ملاقات کی، ان کی دینی اور دعوتی اور سوشل سرگرمیون سے واقفیت حاصل ہوئی، بعض مساجد اور مخیرین کی بہی زیارت کی، آج ساڑہے دس بجے جناب یاور بیگ صاحب کی مسجد میں میری تقریر ہے، ہم وقت پر وہاں پہنچے، شیخ مرزا یاور بیگ صاحب حیدرآباد کے ایک معزز اور علم وفضل کے لئے مشہور خاندان کے فرد ہیں، یاور بیگ صاحب نے یہاں کے اچہے سکولوں میں تعلیم حاصل

کی، نظام کالج عثمانیہ یونیورسٹی سے بی اے اور احمد آباد سی ایم اے کیا، اسلامی علوم کی تکمیل مختلف علماء کی رہنمائی میں کی، تصوف وطریقت سے بھی دلچسپی ہے، مشفق مکرم پروفیسر سلمان ندوی مقیم ڈربن ساؤتھ افریقہ سے شاگردی اور عقیدت کا تعلق ہے، یاور بیگ صاحب اکیڈمک زندگی اور عوامی تعلیمی وتربیتی واصلاحی ودعوتی خدمات کے درمیاں توازن کی بہترین مثال ہیں، تیس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، انگلینڈ کے اسفار ہوتے رہتے ہیں، میرے مکان پر بھی مجھے عزت بخشی، ایک مرتبہ آکسفورڈ میں میرے طلبہ سے خطاب کیا، جس میں شب بیداری اور خدا سے تعلق کی اہمیت پر زور دیا، بیان کے دوران ان پر گریہ طاری ہوگیا، بیان مؤثر تھا:

چراغ زندہ می خواہی در شب زندہ داران زن

کہ بیداری بخت از بخت بیداران شود پیدا[۲۷]

یاور بیگ صاحب کو سیرت کے اہم پہلوؤں کو عصر حاضر کی زبان واسلوب میں پیش کرنے کا خاص ملکہ ہے، ان کے اخلاص، علم، اور انتھک جد وجہد نے ان کے فائدہ کو بہت عام کردیا ہے:

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست

---

۲۷ ترجمہ

ما زندہ ازانیم کہ آرام نہ گیریم[۲۸]

مسجد میں تعلیمافتہ مرد وخواتین کا اچھا خاصا مجمع تھا، یاور بیگ صاحب نے دریا دلی کے ساتھ میرا تعارف کرایا، اور میں نے قرآن وسنت میں عورتوں کا مقام کے موضوع پر انگلش میں تقریر کی، یہ معلومات سامعین کے لئے نئی اور حیرت انگیز تھیں، اس لئے انہوں نے بڑی دلچسپی سے پورا خطاب سنا، اور چہروں سے پسندیدگی کا تاثر ظاہر تھا:

جہان سے دیکھئے یک شعر شور انگیز نکلے ہے

قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیوان میں

تقریر کے اختتام پر بہت سے عمدہ سوالات آئے جن کا میں نے پوری تفصیل سے جواب دیا، یاور بیگ صاحب نے محسوس کیا کہ میرے بعض جوابات سے لوگ وہ مفہوم نکال سکتے ہیں جو میرے وہم وگمان میں بھی نہیں، اس لئے انہوں نے غلط فہمیون کا اچھی طرح ازالہ کیا، میں نے متن کی اس شرح کے لئے یاور بیگ صاحب کا شکریہ ادا کیا، عصر حاضر کے جن داعیوں سے طبیعت خاص طور سے مانوس ہے ان میں ایک یاور بیگ صاحب ہیں، اللہ تعالی ہم مسلمانون کو موصوف سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے.

---

۲۸ ترجمہ

محمد اعظم ندوی

یہاں پر عزیز گرامی محمد اعظم ندوی سے بھی ملاقات ہوئی، جنہوں نے مولانا آزاد یونیورسٹی سے ایم فل کیا ہے، ان کے مقالہ کا موضوع راقم السطور کی عربی تصنیفات ہے، مشہور فقیہ وعالم مولانا خالد سیف اللہ دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ان کے المعہد الإسلامی میں پڑھاتے ہیں، اوریاور بیگ صاحب کی مسجد میں امامت کا فریضہ انجام دیتے ہیں، چونکہ وقت کم تھا اس لئے یہاں کے دوسرے اہل تعلق جیسے ڈاکٹر اقبال ندوی، ڈاکٹر فہیم اختر ندوی وغیرہ سے ملاقات نہ ہو سکی، جس کا افسوس ہے.

حیدرآباد سے وطن روانگی

آج میری حیدرآباد سے روانگی ہے، یہاں سے روانہ ہونّے سے پہلے دو محسنین کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، جن کی کوششوں کی وجہ سے یہ سفر کامیاب ہوسکا، ایک جناب پیرزادہ صاحب جنہوں نے ہر جگہ میرا تعارف کرایا، اور میرے کام کو بلند لفظوں میں سراہا، انہوں نے پروفیسر سلیمان صدیقی، اور عائشہ فاروقی صاحبہ وغیرہ کی موجودگی میں اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں عثمانیہ میں دوبارہ آؤں، مختلف موضوعات پر لکچر دون، اوریونیورسٹی مجھے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا کرے، یہ پیرزادہ صاحب کی محبت کی دلیل ہے، پیرزادہ صاحب نے وقتا فوقتا اس عاجز کے بارے میں بہت بلند جملے ارشاد فرمائے، اور اب ان کا اصرار ہے کہ وہ جملے بہی اس سفرنامے میں مذکور ہوں، لیکن میں خود کو اس پر آمادہ نہیں کرسکا، کیونکہ ان جملون کا نقل کرنا بہی خود ستائی ہے، اور اس میں عجب وکبریائی ہے.

دوسرے جناب احمد سعید صاحب جن کے گہر پر میرا قیام رہا، میرے کہانے پینے اور میری راحت کا انتظام فرمایا، اپنی گاڑی سے مجھے ہر جگہ پہنچایا، اور آج ایک بجے کے قریب انہیں کی گاڑی سے ایرپورٹ آیا، ساتہ میں محمد اعظم ندوی بہی تھے، انہوں نے اپنے ایم فل کے مقالہ کی ایک کاپی بہی دکہائی، مقالہ کا عنوان ہے: "تراجم

الأعلام الهنود لمحمد أكرم الندوي: دراسة تحليلية نقدية"، مقالہ کے اہم موضوعات ہیں: مقدمة البحث، الباب الأول حياة محمد أكرم الندوي، الباب الثاني مؤلفاته العامة، الباب الثالث مؤلفاته الخاصة حول الأعلام الهنود، الباب الرابع مؤلفاته العامة الأخرى حول الأعلام الهنود، نتائج البحث، المصادر.

مقالہ میں منطقی ترتیب ہے، زبان فصیح، اسلوب رواں، اور انداز علمی و تحقیقی، معلومات کی فراہمی کے ساتھ تجزیہ بھی اور تنقید بھی، مقالہ دیکھکر اعظم صاحب کی تصنیفی صلاحیت کا علم ہوا، اللہ تعالی علم میں مزید برکت عطا کرے۔

ایرپورٹ کے لئے روانہ ہو رہا تھا، اور حیدرآباد پر الوداعی نگاہ ڈال رہا تھا، دو دن سے کم کے قیام میں بہت کچھ سیکھنے اور سکھانے کا موقع ملا، مختلف خیالات میں محو اور ساتھیوں سے گفتگو کرتے ہوئے ایرپورٹ پر پہنچا، سب کو معانقہ کرکے رخصت کیا،

بنارس ایرپورٹ

شام چار بجے کی فلائٹ سے حیدرآباد سے روانہ ہوا اور چھ بجے کی قریب بنارس ایرپورٹ پر اترا، جہاں میرے بھائی محمد اجمل اور میرے بھتیجے اور بھانجے وغیرہ میرے استقبال کے لئے موجود تھے، تقریبا آٹھ بجے اپنی گاؤں جمدھان (ضلع جونپور) پہنچا، والد صاحب مد ظلہ اور گھر کے دیگر افراد سے ملاقات کی. جمدہان کہیتا سرائے

سے دو کلو میٹر دور مشرق میں اس سڑک کے کنارے واقع ہے جو کھیتا سرائے کو سرائے میر سے ملاتی ہے، گاؤں میں زیادہ آبادی شیوخ اور پٹھانوں کی ہے، دوسری ذاتون کے بھی کچھ لوگ آباد ہیں، ہندؤن کی آبادی گاؤں کے کنارے ہے،

میرا خاندان

میرا خاندان شیوخ کا ہے، خاندان کے بہت سے لوگ خود کو صدیقی لکھتے ہیں، جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، میرے خاندان کی تاریخ مخطوطہ کی شکل میں محفوظ ہے جو خاندان ہی کے ایک بزرگ کے ہاتھوں تقریبا ستر سال پہلے کا لکھا ہوا ہے، اس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے، کسی وقت اس کو شائع کرنے کا ارادہ ہے، اس مخطوطہ کی رو سے ہمارے آبا و اجداد تقریبا تین سو سال پہلے پچھم کے کسی علاقہ سے اس گاؤں میں وارد ہوئے، گاؤں کی زیادہ تر زمینیں انہیں کے قبضہ میں تھیں، انگریزوں کے زمانہ میں کچھ زمینیں ھاتھ سے نکل گئیں، گاؤں کے قبرستان کا رقبہ گاؤں سے بڑا ہے، اپنی خاندان اور گھر کے متعلق اس وقت اس سے زیادہ لکھنے کا موقع نہیں ہے.

گاؤں میں چھ مسجدین ہیں، ایک پرانا مدرسہ سلیمانیہ ہے، ایک پرائمری اسکول ہے، متعدد مکاتب ہیں، میں نے گاؤں والون کے تعاون سے تیرہ سال پہلے المدرسۃ المحمودیۃ کی بنا ڈالی، اور ندوہ سے اس کا الحاق کرایا، جونپور ضلع میں صرف یہی ایک مدرسہ ندوہ کی شاخ ہے، اس نے مختصر عرصہ میں کافی ترقی کی، اور اس کی وجہ سے گاؤں میں اور

اطراف میں ندویوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، میں اس کا ناظم ہوں، اور مولوی شہنواز نائب ناظم، ادہر کئی سالوں سے مدرسہ میں کچھ تعلیمی ضعف آگیا ہے، اس لئے گاؤں والون کے مشورہ سے اس کے انتظامی ڈھانچہ کو زیادہ منظم کیا، اللہ تعالی مدرسہ کو ترقیات سے نوازے.

مدرسہ (کلیۃ الصالحات)

گاؤں میں لڑکیوں کا ایکمدرسہ (کلیۃ الصالحات) کے نام سے ہے، تقریبا بارہ تیرہ سال پہلے میں نے اسے قائم کیا تھا، جس کے ذمہ دار حافظ ابو بکر ہیں، جو میرے بہنوئی بہی ہیں، انہوں نے اپنی زمیں پر اس مدرسہ کی تعمیر کی ہے، اس مدرسہ کی برکت سے گاؤں کی بچیون میں تعلیم کا رجحان بڑھ رہا ہے، ضرورت ہے اس مدرسہ کو مزید ترقی دینے کی.

میرے بچپن میں گاؤں نام ہوتا تھا شہرون کی تیز رفتار اور ھنگامہ خیز مصنوعی زندگی سے دوری کا، قدرتی مناظر کا، حسن فطرت کا، البیلی صبح کا، مرغان سحر کی بیتابی کا، چڑیون کے چہچہانے کا، بکریون کے ممیانّے کا، گایون، بیلون اور بھینّسون کی آمد ورفت کا، کھیتون میں ھل چلنے کا، فصلون کے اگنے کا، گھاس اور سبزون کی مہک کا، گل ریز پودون کا، پہلون اور پھولون کی خوشبوٴن کا، جامنون اور آمون کا، خالص دودھ، دہی، گھی اور مکھن کا، گھر کی پکی ہوئی تازہ روٹی کا.

گاؤں کی زندگی

گاؤں نام ہوتا تھا سکون ونرمی سحر کا، رنگ طلوع صبح کا، شبنم اور شمیم کا، مستی موج نسیم کا، نرم جھونکوں کا، سورج کے طلوع، زوال اور غروب کا، تمازت اور ڈسنے والی دھوپ کا، حسن ارض آفتاب کا، ہوائے شام کی گلباریون کا، آسمان کبود کا، رات کی تاریکی اور سکوت شب کا، چاند اور ستارون کا:

وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا
وہ درختون پر تفکر کا سمان چھایا ہوا

وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردون سے جبین جبرئیل
وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل

گاؤں نام ہوتا تھا ساون کے ابر پریشان کا، گھٹاؤں کی چھاؤں کا، نزول رحمت پروردگار کا، سہانی برسات کا اور برسات کی راتون کے خواب کا:

سبزوں کی لہلہاہٹ، کچھ ابر کی سیاہی
اور چھا رہی گھٹائیں، سرخ اور سفید کاہی

گاؤں نام ہوتا تھا آغوش مہر وماہ میں پلنے کا، چشم وگوش کے بہلانے کا، چشمون کی

تڑپتی ہوئی سیمابی کا، تالابون میں پیرنے کا، درختون کی شاخون سے پانی میں کودنے کا، پرندون اور مچھلیون کے شکار کا، باغون اور کھیتون میں خرامان خرامان چلنے کا، سبز جھاڑیوں اور خاردار وادیوں سے گزرنے کا.

معاهد لهو لم تزل في ظلالها

تدار علينا في المجون مدام

تذكرت أيامي بها فتبادرت

دموع كما خان الفريد نظام[۲۹]

گاؤں کی یہ زندگی اب ختم ہوگئی، اب گاؤں والون میں وہ قناعت پسندی نہ رہی، گاؤں کے لوگ یا تو شہرون میں جا بسے، یا انہوں نے شہرون کی آسائشون اور جعلی مناظر کو گاؤں میں منتقل کردیا.

گاؤں گاؤں نہیں رہ گیا، لیکن پھر بھی مجھے اس میں ایک قسم کا سکون محسوس ہوتا ہے، کیونکہ اس کی گلیون، اس کے کھیتون، کھلیانون، پکڈنڈیون اور تالابون میں میرا بچپن گزرا ہے، جہاں بیل گاڑیون اور ٹانگون پر سواریان کی ہیں، جہاں ہم عمرون کے ساتھ کشتیان لڑی ہیں، اور کبڈی کھیلی ہے، جہاں رات کو بڑے بوڑھوں کی بیٹھکون میں

---

۲۹ ترجمہ

ان کی سیدہی سادی اور حکیمانہ باتیں سنی ہیں، جہاں حقے پیئے جاتے تھے، دن میں گاؤں میں پیش آنے والے واقعات بیان ہوتے تھے، اور ان پر تبصرے ہوتے تھے.

آتا ہے یاد مجکو گزرا ہوا زمانہ
وہ باغ کی بہارین وہ سب کا چہچہانا

جمگھٹ وہ گل رخون کے الہی کدہر گئے
کیا ہو گیا گلاب کا تختہ کہلا ہوا

لیکن اب گاؤں وہ نہیں رہا، اب گاؤں میں نہ ہل ہے، نہ گائے اور بیل، نہ کبڈی ہے نہ کشتی، اب گاؤں میں ٹی وی ہے، موبائل فون ہے، کرکٹ ہے، چائے خانے ہیں، سازشین ہیں، نفرتین ہیں اور مقدمے بازیان:

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

وطن میں قیام

گاؤں میں تقریبا دو ہفتے قیام رہا، درمیاں میں تین روز کے لئے لکھنؤ بھی جانا ہوا، گاؤں میں قیام کا وقت رشتہ داروں، بزرگوں، اور دوستوں سے ملاقاتون اور مختلف سرگرمیون میں گزرا، ذیل میں لکھنؤ جانے تک کے احوال وکوائف کا خلاصہ پیش ہے.

جناب مولانا عبد القدوس اصلاحی

۱۴ جولائی جمعہ کی صبح کو میرے استاذ محترم جناب مولانا عبد القدوس اصلاحی مد ظلہ العالی استاذ مولانا آزاد تعلیمی مرکز اسرہٹہ جونپور نے ملاقات کے لئے قدم رنجہ فرمایا، مولانا سے میں نے نحو کی کتاب (قواعد اللغة العربية)، (كليلة ودمنة) اور انشاء پڑہی ہے، مولانا اس وقت جوان تھے، اور بہت محنت سے پڑھاتے تھے، ہم كليلہ ودمنہ کا مطالعہ کرکے جاتے، عبارت پڑہتے، ترجمہ کرتے، اور مولانا ہر لفظ کی صرفی ونحوی ولغوی توجیہ پوچھتے، ہمیں کلاس میں پڑھنے سے پہلے اچھی طرح پورا سبق تیار کرنا ہوتا تھا، ہفتہ کے آخر میں ہم طلبہ کے درمیاں مقابلہ کرواتے، دو دو طالبعلم کا مقابلہ ہوتا، ہر ایک دوسرے سے گزشتہ اسباق سے نحوی، صرفی اور لغوی سوال کرتا، جن طلبہ کے پوائنٹس زیادہ ہوتے، پھر ان کے درمیاں مقابلہ ہوتا، یہاں تک کہ کوئی ایک طالبعلم اول آتا، اس طرز تدریس نے نحو وصرف کی جو عملی مشق بہم پہنچائی اس

کے بعد عربی زبان کے قواعد ذہن نشین ہوگئی، بلکہ نحو وصرف سے محبت ہوگئی.

علم کی اہمیت

آج جمعہ کی نماز سے پہلے مجھے تقریر بھی کرنی ہے، ندوہ کی طالبعلمی سے یہ میرا معمول ہے کہ جب بھی میں گاؤں میں ہوتا ہوں، میں ہی تقریر کرتا ہوں، آج میں نے علم کی اہمیت پر تقریر کی، اور یہ کہ قوموں کی ترقی میں علم کا کیا دخل ہے، مسلم نوجوان کس طرح عیش وعشرت میں پڑے ہوئے ہیں، غفلت وجہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تعلیم سے نا بلد ہیں، اور سستی وکاہلی نے ہماری قوت فکر وقوت عمل کو کتنا نقصان پہنچایا ہے:

یہ فریب جلوہ ہے سر بسر، مجھے ڈر ہے یہ دل بے خبر
کہیں جم نہ جائے تری نظر انہیں چند نقش ونگار پر

میں نے پوری قوت کے ساتھ لوگوں کو جھنجھوڑا کہ مصاف زندگانی میں اپنا مقام پیدا کریں:

بحر ہستی میں جو ابھرو تو کوئی بات بنے.

حافظ اکرم صاحب

نماز کے بعد گاؤں کے بڑے بوڑھوں اور نوجوان ندویوں اور دیگر علماء سے ملاقات ہوئی، ہمارے گاؤں کے حافظ اکرم صاحب بھی ملاقات کے لئے میرے گھر تشریف

لائے، جب میں نو سال کا تھا تو میرا داخلہ مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلان میں فارسی اول کی کلاس میں ہوا تھا، اور اسی سال حافظ اکرم صاحب نے حفظ کی کلاس میں داخلہ لیا تھا، میرے گاؤں سے اٹھارہ طلبہ مانی پڑھنے کے لئے جاتے تہی، سال کے آخر تک صرف میں اور حافظ اکرم صاحب رہ گئے، باقی طلبہ نے تعلیم چھوڑ دی، حافظ اکرم صاحب نے حفظ مکمل کیا، اور مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں مدرس ہوگئے، اور اس وقت حفظ کے سینیر استاد ہیں، اور گورینی ہی میں فیملی کے ساتھ قیام ہے.

گاؤں میں قیام کے دوران باہر کے پروگرامون کا اتنا دباؤ رہا، اور اتنے فون آتے رہے کہ گاؤں اور گھر میں میری جسمانی موجودگی کے باوجود ذہنی اور قلبی توجہ گاؤں سے باہر ہی رہی، میرے والد صاحب اور گھر کے لوگوں نے اس کی شکایت بہی کی، یہی حال آکسفورڈ میں بہی ہے کہ گھر میں رہتے ہوئے بہی میں گھر سے دور رھتا ہوں، یا تو مطالعہ کرنے اور تصنیف وتالیف میں وقت گزرتا ہے، یا پھر گھر سے باہر کہیں پڑہانے اور لکچر دینے میں، خدا کا شکر ہے کہ اس نے مشغولیت کی نعمت عطا ہے، اللہ تعالی اخلاص نصیب فرمائے اور قبولیت سے نوازے:

مکن زغصہ شکایت کہ در طریق طلب

بہ راحتے نہ رسید آنکہ زحمتے نکشید[۳۰]

سفر دیوبند کی دعوت

کئی بار دار العلوم دیوبند وقف کے مہتمم مخدوم معظم مولانا سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم کا فون آیا اور ان کا پیغام بہی موصول ہوا جس میں انہوں نے دیوبند آنے اور طلبہ کو خطاب کرنے کی دعوت دی، میرے وقت میں دوبارہ دیوبند جانے کی گنجائش نہیں تہی، اس لئے معذرت کرلی، اور وعدہ کیا کہ آئندہ سفر ہند میں دیوبند کے لئے زیادہ وقت نکالون گا.

حشمت اللہ صاحب

ایک روز برادر مکرم حشمت اللہ صاحب کا فون موصول ہوا، لیکن گاؤں میں نیٹورک خراب ہونّے کی وجہ سے بات نہ ہوسکی، حشمت اللہ ندوہ میں میرے درجہ کے ساتہی تھے، اور مخلص دوستوں میں سے ہیں، عربی اور اردو تحریر میں سارے ساتہیوں پر فائق تھے، تقریبا تیس سال سے قطر میں مقیم ہیں، متواضع ہیں اور ساتہیوں سے ہمیشہ خوشدلی سے باتیں کرتے ہیں، کتنے لوگوں کو دیکہا گیا ہے کہ کچہ لکہنا آگیا یا کسی چیز میں نمایاں ہوگئے تو تکبر وغرور میں بتلا ہوجاتے ہیں، لیکن حشمت اللہ با وجود نمایاں

۳۰ترجمہ

ہونّے کے متواضع اور خاکسار ہیں، اپنی بڑائی کا کبھی اظہار نہیں کیا، اور ہمیشہ سنجیدہ رہے:

غرض اے شوق اترانا عبث ہے حسن فانی پر
گھمنڈ انسان کو نازیبا ہے دو دن کی جوانی پر

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاران
اورون کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزان کا
ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ دگرگون
اے سالکرہ فکر نہ کر سود وزیان کا
شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
تو جس کو سمجھتا ہے فلکا اپنے جہاں کا

حیدرآباد سے پیر زادہ صاحب اور بمبئی سے عظمی باجی کا فون بھی کئی بار آیا، انہوں نے بمبئی یونیورسٹی میں میرے لکچر کا انتظام کیا تھا، اسی کے متعلق تبادلہ خیال ہوتا رہا،

طیبہ باجی

طیبہ باجی سے بھی بات ہوئی، انہوں نے لکھنؤ تعلیم نسوان کالج میں میرے ایک لکچر کا

نظم کیا تھا، طیبہ باجی کے شوہر محترم حیات قدوائی صاحب ہیں، دونوں مسقط، عمان میں رہتے ہیں، طیبہ باجی میری شاگردہ ہیں، انہوں نے مجھ سے دو سال عربی پڑھی ہے، اور میرے دوسرے کورسز میں دلچسپی سے شرکت کرتی ہیں، ان کی صاحبزادی حنا جو دالاس امریکہ میں رہتی ہیں، وہ بھی میری شاگردہ ہیں، سنہ ۲۰۱۵ میں طیبہ باجی کی دعوت پر میں مسقط گیا، اور وہاں میرے لکچرز اور دروس ہوئے، طیبہ باجی لکھنؤ میں اکاڈیمی ہوم چلا رہی ہیں، جس میں یتیم ونادار بچوں کی رہائش اور تعلیم وتربیت کے لئے اعلی انتظام ہے، میں نے کہیں بھی طلبہ کے کسی ھاسٹل میں اس معیار کا انتظام نہیں دیکھا، گزشتہ سال لکھنؤ کی زیارت کے موقع پر میں طیبہ باجی کی دعوت پر اکاڈیمی ہوم گیا، اور وہاں میں نے اپنے خطاب کے دوران ان بچوں سے کہا کہ تم جس معیار کی زندگی یہاں گزار رہے ہو وہ ہمیں انگلینڈ میں بھی حاصل نہیں، اللہ تعالی طیبہ باجی کے اس عمل کو قبول کرے۔

لقمان ندوی

برادران گرامی لقمان ندوی اور عمران صدیقی ندوی سے بھی رابطہ رہا، لقمان ندوی بمبئی میں میرے اعزاز میں ایک پروگرام کی تیاریون میں مصروف تھے، اس کی تاریخ طے کرنے لئے فون کیا تھا۔

مولانا لقمان ندوی کا تعلق سندیلہ سے ہے جس کے لڈو مشہور ہیں، میرا بھی ایک مرتبہ

سندیلہ جانا ہوا اور لڈو خریدے اور کھائے، لقمان صاحب نے سنہ ۱۹۸۰م میں ندوہ میں حفظ میں داخلہ لیا، سنہ ۱۹۹۲ میں عالمیت کی، چند سال سعودی عرب میں قیام کے بعد سنہ ۲۰۰۲م سے بمبئی میں رہائش پزیر ہیں، ٹریول ایجنسی اور ایکسپورٹ کے بزنس میں مشغول ہیں، نیشنل موومنٹ فار جسٹس کے جنرل سکریٹری، حال میں قائم شدہ تنظیم کاروان امن وانصاف کے ٹریزرر، اور سنہ ۲۰۱۳ سے ابنائے ندوہ بمبئی کے صدر ہیں، اور ان کی صدارت سے ابنائے ندوہ میں نئی جان پڑ گئی، اخبارات میں لکھتے رہتے ہیں، اور ٹی وی ڈبیٹس میں حصہ لیتے ہیں، اور دیگر سماجی کاموں سے بہی دلچسپی ہے، لقمان صاحب میرے شاگرد ہیں اور اس تعلق کا احترام کرتے ہیں، ان کی جو باتیں پڑھنے یا سننے میں آتی ہیں ان سے ان کی حکیمانہ فطرت اور انتظامی صلاحیتون کا بخوبی پتہ چلتا ہے.

در حکمت سلیمان ہر کس کہ شک نماید
بر عقل ودانش او خندند مرغ وماہی

مولانا عمران صدیقی ندوی

مولانا عمران صدیقی ندوی صبرحد ضلع جونپور کے رہنے والے ہیں، صبرحد ضلع جونپور کا مشہور قصبہ ہے، اور بہت سے ناموروں کا مسکن، اگر سندیلے کو لڈوّن پر ناز ہے، تو صبرحد گٹوں کے لئے مشہور ہے، اس علاقہ میں شادی کہیں بہی ہو گٹے صبرحد ہی

سے آتے ہیں، میں نے بہی ایکبار جاکر صبر حد سے تازہ گٹے خریدے، اور انہیں انگلینڈ لیکر آیا، عمران صاحب نے بمبئی سے کالج کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سنہ ۲۰۰۰م میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے خصوصی درجات میں داخلہ لیا، اور سنہ ۲۰۰۵م میں عالمیت کی، مشفق مکرم جناب مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی مد ظلہ کے ساتھ کئی سال گزارے، اور ان سے سفر وحضر میں استفادہ کیا، داعی اسلام برادر معظم مولانا عبد اللہ حسنی ندوی مرحوم کی نگرانی میں تقریبا چار سال تکپیام انسانیت میں کام کیا، اور ان کے ساتھ اسفار کئے، اس وقت بمبئی میں اپنے کار وبار میں مشغول رہتے ہوئے غیر مسلموں میں دعوت کی جد وجہد کر رہے ہیں، اور غریب ذہیں مسلم بچون میں خاموشی کے ساتھ تعلیمی وتربیتی کام کر رہے ہیں، ان کی تحریرین پڑھنے اور باتیں سننے سی ان کی علمی اور فکری صلاحیتون کا اندازہ ہوتا ہے، میرے اور ان کے درمیاں علمی تعلق کے ساتھ وطن کا رشتہ بہی ہے.

وزیر احمد اعظمی

لکھنؤ کے سفر کے لئے برادران گرامی وزیر احمد اعظمی اور ضیاء الدین اعظمی سے بہی رابطہ رہا، وزیر نے ندوہ میں اسی سال داخلہ لیا جس سال میں پہنچا، وہ مدرسۃ الاصلاح سے پڑھکر آئے تھے، اور میں مولانا آزاد تعلیمی مرکز سے، دونوں مدرسوں کی نصاب میں یکسانیت نے کلاس کے اندر ہماری قربت بڑھا دی تہی، مولانا شہباز

صاحب اور مولانا واضح صاحب سے استفادہ کی وجہ سے ہمارے خیالات میں ہم آہنگی بہت تہی، فارغ ہونّے کے بعد ہم دونوں ندوہ میں مدرس ہوگئے اور ایکہاسٹل کے نگران بہی، اور ہم ایکہی کمرہ میں رہتے تھے، اس طرح گویا چوبیس گھنٹے ہمارا ساتھ تھا، اور جب دوستوں کی محفلین جمتین تو ان میں وزیر کا ہونّا ضروری تھا، وزیر کی ادبی گفتگو اور تنقیدی حس مجلسوں میں جان ڈال دیتی، مزید برآن وزیر کی ھنسی سب کے اندر ایکتازگی پیدا کردیتی.

ضیاء الدین اعظمی

ضیاء الدین صاحب دیوبند سے فراغت حاصل کر کے ندوہ میں ادب کی تعلیم کے لئے آئے تھے، میں حدیث کے شعبہ میں تھا اس لئے کلاس میں ہماری ملاقات نہ ہوتی، لیکن ضیاء الدین صاحب چونکہ میرے ساتھیوں کے ساتھی تھے اور ہم ایک ہی ھاسٹل میں مولانا شہباز صاحب کی نگرانی میں رہتے تھے اس لئے کلاس روم کے باہر ہماری ملاقات ہوتی رھتی تہی، پہر جب ہم نے المعہد العالي میں داخلہ لیا تو ہم شب وروز کے ساتھی ہوگئی، ضیاء الدین ھنس مکہ اور زندہ دل انسان تھے اور اب بہی ہیں، اردو اور عربی ادب دونوں سے ان کی دلچسپی یکسان ہے، اور اس وقت ان کا شمار اپنے علاقوں کے نامور خطیبون اور نمایاں انشا پردازون میں ہے:

ادب میں پڑی جان ان کی زبان سے

جلا دیں نے پائی ان کے بیان سے
سنان کے لئے کام انہوں نے لسان سے
زبانوں کے کونچے تھے بڑھ کر سنان سے
ہوئے ان کے شعرون سے اخلاق صیقل

پڑی ان کے خطبوں سے عالم میں ہلچل

ہائے وہ ندوے کے شب وروز، ہائے وہ ندوے کے ساتھی، جنہیں فراموش کرنا ممکن نہیں، جن کی یادین ذہنون سے نہیں جاتین، جن کے ساتھ دل گردش کرتا ہے، جب وہ سامنے نہیں ہوتے تو روح ان کے لئے تڑپتی ہے، ان کی قربت سے روح کو سکون ملتا ہے، ان کی موجودگی سے دل مسکراتا ہے، ان کی حیثیت بارش کی ہے کہ زندگی کے تپتے ہوئے صحراؤن میں ان سے آسودگی ملتی ہے:

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلین
ربيع العمر في مرعى حماكم
حماك الله يا عهد التلاقي[۳۱]

۳۱ترجمہ

شکیل بھائی (تعارف تفصیل سے آئیگا) خواہشمند تھے کہ ہم ۲۰ جولائی کو یا اس سے پہلے ہی ندوہ چلیں، میں نے وزیر اور ضیاء الدین صاحب کو اس کی اطلاع دے دی اور ہم نے اسی تاریخ کو لکھنؤ جانے کا فیصلہ کیا.

میں بمشکل ایک ہفتہ گاؤں میں رکا کہ لکھنؤ جانے کا وقت قریب آگیا، میں نے محسوس کیا ہے کہ ندوہ میں پہنچتے ہی ہم پرانے ہوجاتے تھے، لیکن جب گاؤں آتے تو پرانے ہونّے سے پہلے ہی روانگی ہوجاتی تہی، اس بار بہی یہی ہوا:

اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب آنکہ کہلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

دار العلوم ندوۃ العلماء

آج صبح سویرے دار العلوم ندوۃ العلماء کے لئے روانگی ہے، جب بھی ندوہ جانا ہوتا ہے تو روح اور جسم میں مقابلہ ہوتا ہے، جیت روح کی ہوتی ہے جو جسم سے پہلی ہی وہاں کے ماضی میں پہنچ جاتی ہے، آج بھی روح زمان ومکان کے حدود وقیود توڑ کر صبح سے وہاں موجود ہے. مسکن پریزادان وشہر وفا لکھنؤ، اور لکھنؤ میں گومتی ندی کے کنارے آباد اس گہوارہ علم وھنر وخانہ فکر ودانش پر سلام:

سلام الله ما كر الليالي

وجاوبت المثاني والمثالي

على وادي الأراك ومن عليها

ودار باللوى فوق الرمال[۳۲]

جس کی وسعت آغوش تشنگان علم وفضل کے لئے نئی زمیں اور نیا آسمان تھی، جہاں وہ ہمہ تن گوش بن جاتے، آنکھیں وقف دید رہتیں، دل ودماغ ذوق استفسار سے مست ہوتے، واردان چمن سراپا سوز وساز آرزو، اور ادراک انسانی خرام آموز، جہاں ابر نیسان گہر باری و در فشانی کرتا، جہاں وہ شمشاد خرامان وآھنگ کنان گلستان بستے

۳۲ترجمہ

جن کے قد سے سرو دلجوئی سیکھتے، جہاں کا حسن وجمال آب رکناباد و گلگشت مصلا کو فراموش کردیتا.

جہاں عقل ودانش کی بالیدگی کا سامان ہوتا، معانی دانی پر زور ہوتا، نہ کی ورق خوانی پر، جہاں کے فردوس تخیل سے ہر سمت بہاران، جہاں کی کشت فکر سے عالم سبزہ وار، جہاں علم کی چمکا اس قدر خیرہ کن تہی کہ آفتاب جب ادہر سے گزرتا تو جھجھکتی ہوئے گزرتا، اور چاند اور ستارے یہاں کے ماہ وانجم کو ٹھہر ٹھہر کے دیکھتے.

جہاں فطرت کی خاموشی سے سبق سیکھے جاتے، جہاں سکوت گل ولالہ، ونالہ بلبل ومرغ خوش الحان کا راز واشگاف ہوتا، جہاں کہسارون اور آبشارون کی زبان سکھائی جاتی، جہاں شبنم وباد سحری سے ہمکلامی ہوتی، مہر وماہ، کواکب ونجوم، آسمان وزمیں، شجر وحجر اور تمام مظاہر کائنات کا کھلی کتاب کی طرح مطالعہ ہوتا.

جہاں زبان ہوشمند کی نشو نما ہوتی، جہاں کی بربط سے محفل ہستی سرمایہ دار ہوتی، جہاں کی لطف گویائی کا ہر طرف شہرہ تھا، جہاں وہ رنگین بیانی سکھائی جاتی کہ بام عرش کے طیور ہمزبان ہوجاتے، جہاں لیلی معنی بے پردہ ہوتی، اور انداز گل افشانی گفتار کی نئی طرحین ایجاد ہوتیں.

جہاں دل دردمند، ونظر پاکہ کی تربیت ہوتی، بجلی کی تڑپ پیدا کی جاتی، جہاں حدیث عشق ومحبت واعظ صنعت دار وخطیب شعلہ بار سے نہیں، بلکہ مردان با صفا وخلوت

نشین، وزاھداں کم گو وعزلت گزین سے اخذ کی جاتی.

جہاں فقر وقناعت کی آبرو کی پاسداری سکھائی جاتی، جہاں خود داری ووفا شعاری کا درس ہوتا، جہاں نالہ طائر بام سنا جاتا، خودی نہ بیچنے کی تعلیم ہوتی، یہاں تہذیب حاضر کے عیوب فاش کئے جاتے، شیشہ گران فرنگ کا بار احسان اٹھانے سے روکا جاتا، یہاں احکام حق سے بیوفائی نہ کرنے کی ہدایت عام کی جاتی.

دنیا میں انسانوں کی شناخت ان کی ذات وجائے پیدائش اور رنگ وخون سے ہوتی ہے، لیکن یہاں انسانوں کی پہچان صرف انسانیت تہی، یہاں غنی ومحتاج، سفید فام وسیاہ فام، ہندی وغیر ہندی، اردو دان وغیر اردو دان سب کی حوصلہ افزائی ہوتی، سب کے لئے یہاں کی فضا ایک تہی، یہاں چلی تہی رسم کہ کوئی نہ سر جھکا کے چلے، یہاں پرِ مرغ تخیل کی رسائی کی کوئی حد نہ تہی، یہاں کی رفعت پرواز پر ثریا محو حیرت.

امت کو نادانون نے تہتر فرقون میں تقسیم کردیا، اور ہر فرقہ کو بے شمار ٹکڑیون میں بانٹ دیا، اس چمن کے واردین کو یہ سبق ملتا کہ وہ مسلکون، فرقون اور گروہوں کے انتساب سے ماوراء ہیں، یہاں کے مکین صرف مسلمان تھے، اور ہر سابقہ ولاحقہ سے بے پروا وبے نیاز، یہاں وحدت سکھائی جاتی، اور اختلاف وانتشار کی مذمت ہوتی.

یہاں ہر دعوی کی دلیل مانگی جاتی، اور صرف وہی بات قبول ہوتی جس کی واضح دلیل ہو، یہاں دلیل سے زیادہ طاقتور کوئی چیز نہیں تہی، کبھی امام ابو حنیفہ کے قول کو ترجیح

دی جاتی، کبھی امام مالک کے قول کو، کبھی امام شافعی کی مذہب کی قوت بیان کی جاتی، کبھی امام احمد ابن حنبل کے مذہب کی، اور کبھی اوزاعی، سفیان ثوری، لیث بن سعد، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، ابن حزم، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ کے آراء وافکار کی تحسین ہوتی اور ان سے استفادہ کی ہمت افزائی.

خضر کے آب حیات کا سرچشمہ ظلمات در ظلمات ہے، یہاں جو آب حیات تقسیم ہوتا اس کا منبع اللہ اکبر ہے، یہاں کتاب الہی کی عظمت دلون میں راسخ کی جاتی، اس کی ہدایتون کے مقابلہ میں کسی کی طرف التفات نہ ہوتا، یہاں قرآن کریم میں تدبر وتفکر کی تعلیم ہوتی، یہاں مسلمانون بلکہ سارے انسانوں کو سرچشمہ ربانی سے جوڑنے کی تربیت ہوتی، یہاں تفسیر کی کتابوں کی کمزوریان بتائی جاتین، کلام آسمانی اور کلام انسانی میں تمیز وتفریق کا ھنر سکھایا جاتا.

یہاں موطأ، صحیح البخاری، اور صحیح مسلم کا منہج سمجھنے کی کوشش جاتی، سنن ابی داود اور سنن ترمذی کے محدثانہ وفقیہانہ مباحث زیر گفتگو آتے، کتب رجال وعلل پر بحث وتحقیق ہوتی، علم حدیث کے ارتقاء کی تاریخ بیان ہوتی، مصطلحات حدیث ائمہ متقدمین کی تحریرون کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جاتی، یہاں کتب حدیث کی شروح، اور متاخرین کے اصول کو محکد دلیل ونظر پر پرکھا جاتا.

یہاں مذہب حنفی کے نشو نما کی تاریخ، مدارس کوفہ وبغداد وخراسان وماوراء النہر کا

بیان ہوتا، یہاں بعد میں ترکی، شام اور ہندوستاں میں ظاہر ہونّے والے حنفی فقہ کے رجحانات پر تنقیدی نگاہ ڈالی جاتی، یہاں نور الایضاح، قدوری، شرح وقایہ، ھدایہ وبدائع الصنائع کے مسائل کا موازنہ ہوتا، اصل مذھب جاننے کے لئے امام صاحب کے شاگردون کی تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا، اصول سرخسی وبزدوی کے مباحث پر گفتگو ہوتی، علم اصول فقہ پر متکلمیں کے اثرات کا تجزیہ ہوتا، امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردون کے اصول اور مصنفین اصول کے درمیاں امتیاز کرنے کی تربیت ہوتی.

یہاں متاخرین کے منہج فتوی نویسی پر تنقید ہوتی، جنہوں نے اسلام کو خشک، بے جان اور غیر مربوط جزئیات کا مجموعہ بنادیا ہے، جنہوں نے فتوی نویسی میں قرآن وسنت سے اعراض کو معمول بنا لیا ہے، اور جن میں اصول ائمہ کی تطبیق نہیں، بلکہ صرف اپنے پیشروون کے نظائر کی غیر عالمانہ وغیر محققانہ تقلید ہے، یہاں مسلک حنفی کے اولین مصادر کی طرف رجوع کی دعوت ہوتی.

یہاں کوفہ، بصرہ اور بغداد میں ظہور پزیر ہونّے والے نحو کے اسکولون کا فرق سمجھا جاتا، سیبویہ کی الکتاب، ابن جنی کی تحریروں، زمخشری کی مفصل، جرجانی اور ابن یعیش کے کارنامے بیان ہوتے، ھدایۃ النحو، کافیہ اور شرح جامی کی کمزوریاں واضح کی جاتیں، یہاں متاخرین کے درمیاں ابن ھشام کو سب سے بڑا نحوی گردانا

جاتا.

یہاں کوئی متنبی کو سب سے بڑا شاعر کہتا، کوئی جاہلی شعراء کو ترجیح دیتا، کوئی امرؤ القیس کی خوبی واضح کرتا، کوئی زہیر بن ابی سلمی کی حکمت سے متاثر ہوکر اسے سب سے اچھا شاعر گردانتا، یہاں فرزدق، جریر واخطل کے درمیاں موازنہ ہوتا، ابو تمام وبحتری کی مہارت پر گفتگو ہوتی، ابو العلاء المعري کی نکتہ سنجیون، ابو نواس کی خمریات، ابو فراس کی شکوہ بیانی اور ابو العتاھیہ کی زھدیات پر کلام ہوتا.

یہاں البیان والتبیین، کتاب البخلاء، أدب الکاتب، العقد الفرید، أبو علی القالی کی امالی، اور ابن العمید کی انشا پردازی کے گن گائے جاتے، حریری ودیگر اصحاب تصنع وتکلف پر تنقید ہوتی، معاصرین میں منفلوطی، رافعی، طہ حسین اور احمد امیں کے اسلوب کی نقل کی جاتی.

یہاں اردو ادب، شعر ونقد، اور ذوق فنی کی تعلیم ہوتی، آب حیات، مقدمہ شعر وشاعری، شعر العجم، موازنہ انیس ودبیر وگل رعنا کا مطالعہ ہوتا، میر تقی میر، خواجہ میر درد، آتش، مرزا غالب، مؤمن خان مؤمن، داغ، اقبال، اصغر گونڈوی، جگر، فانی اور جوش کے کلام سنے اور سنائے بلکہ حفظ کئے جاتے، عناصر خمسہ کے درمیاں تقابل ہوتا، مہدی افادی، ابو الکلام آزاد، سلیمان ندوی، عبد الماجد دریابادی، نیاز فتحپوری، مجنون گورکھپوری، کلیم الدین احمد، رشید احمد صدیقی کی تحریرین ذوق وشوق سے

پڑھی جاتیں.

یہاں کسی کتاب کے پڑھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی، یہاں آزادی کے ساتھ عقل وخرد کی نشو نما کا سامان فراہم کیا جاتا، طلبہ مولانا مودودی، سید قطب، مالک بن نبی، محمد اسد، محمد مبارک اور ابو الحسن ندوی کی کتابیں پڑھتے، اور عصر حاضر کے ان اعلام دعوت وفکر کے درمیاں موازنہ کرتے.

کینٹین میں، کھیل کے میدانوں میں، تفریح کی جگھوں پر یہاں کے پراگندہ طبع اور دلبران شوخ بے پروا جمع ہوتے، ھنسی مذاق ہوتا، بذلہ سنجیاں ہوتین، تفاخر ہوتا، نوک جھونک ہوتی، علمی وادبی گفتگو ہوتی، مباحثے ہوتے، اور بسا اوقات جو علمی نکتے اور ادبی معمے کلاس روم میں حل نہ ہوتے کلاس کے باہر چٹکیون میں حل ہوجاتے.

جب سورج غروب کے قریب ہوتا تو یہاں کا روشن ضمیر پیر مغان رشکِ مہر وماہ، جان لکھنؤ، جان ہندوستاں بلکہ جان عالم مسجد کے شمال مغربی دروازہ سے فرشتوں کے ہمراہ طلوع ہوتا، مہمان خانہ کے سامنے ایک کرسی پر جلوہ گر ہوتا، اور نجوم وکواکب اس کے گردہالہ بنا لیتے، وہ بوڑھا تھا، لیکن اس کی پیشانی مہ جبینون کو شرماتی، اس کے چہرے کے خط وخال نوجوانون کے حسن ورعنائی کو مات کرتے، اس پر علم کی عظمت، اور روحانیت کے تقدس کی قبا ہوتی، وہ جب بات کرتا تو اس کے لبون سے موتی نکلتے، وہ جب مسکراتا تو منہ سے پھول جھڑتے، وہ جب خاموش ہوتا تو اس کی

خاموشی سے کتنی گتھیاں سلجھ جاتیں، نرگس کے شیوے اس کی آنکھوں سے مستعار تھے، ان سحر آفرین نگاہوں پر جانیں فدا ہوجاتیں، معمہ ھائے مشکل اس کی نظر کی تایید سے حل ہوجاتے، وہ ایسا کیمیا گر تھا کہ ساغر جم سے زیادہ اس کی خاکپا میں صفا تہی. وہ جب رخصت ہوا عالم تاریک ہوگیا، گل ملول، سبزہ افسردہ، شمعہائے بزم اداس، اس کی جدائی نے دل کو چھلنی کردیا:

سليمى منذ حلت بالعراق
ألاقي من نواها ما ألاقي

اب جب ندوہ آنا ہوتا ہے، نظرین اسے ڈھونڈھتی ہیں، ہزار رنگ گلستان میں آئے گل، پر اس بغیر کوئی نہ بھائے، اسے نہ پاکر اس مکان سے سوال ہوتا ہے کہ تمہارا مکین کہان ہے: أیا منازل سلمی فأین سلماک؟

یہ وہ دار العلوم ہے جس پر دہر عاشق تھا، یہاں سے گزرنے کے بعد کوئی در راس نہیں آتا، یہاں سے مانوس ہونّے کے بعد کسی دلستان میں دل نہیں لگتا:

زبس کہ شد دل حافظ رمیدہ از ہمہ کس
کنون زحلقہ زلفت بدر نمي آید[۳۳]

۳۳ترجمہ

عيون المها بين الرصافة والجسر

جلبن الهوى من حيث أدري ولا أدري[٣٤]

ہائے نگاہیں اسی چمن کو تلاش کرتی ہیں، کان انہیں آوازون کے لئے بیچین ہیں، دل ودماغ اسی روحانی غذا کے جویاں ہیں، گہر گہر پکارتا ہوں، اور در در صدا دیتا ہوں:

بليت بلى الأطلال إن لم أقف بها

وقوف شحيح ضاع في الترب خاتمه[٣٥]

فحبك راحتي في كل حين

وذكرك مونسي في كل حال[٣٦]

سویدای دل من تا قیامت مباد

از شوق وسودای تو خالی[٣٧]

٣٤ترجمہ

٣٥ترجمہ

٣٦ترجمہ

٣٧ترجمہ

شکیل بھائی کی سر براہی میں لکھنؤ روانگی

اَلا ای ساروان منزل دوست[۳۸]
اِلی رکبانکم طال اشتیاقی[۳۹]

میں صبح سویرے اپنے بھائی محمد اجمل اور بھانجے عبیدہ کے ساتھ گھر سے نکلا، شاہ گنج سے شکیل بھائی کے ساتھ ان کی گاڑی میں جانا طے تھا، چھ بجے کے قریب گاڑی پہنچی، جسے ان کے بھتیجے محمد افضل صاحب چلا رہے تھے، جو اپنے گاؤں کے پردہان ہیں، اور لکھنؤ اور لکھنؤ کی سڑکوں اور گلیوں سے واقف.

شکیل بھائی

شکیل بھائی (ولادت سنہ ۱۹۵٦) سرائے میر سے متصل موضوع کھریواں کے رہنے والے ہیں، مدرسۃ الاصلاح سے عربی چہارم تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۷۳ میں ندوۃ العلماء عربی ششم میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۵ میں ندوے کے ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کے سال عالمیت کی، کسب معاش کی غرض سے ۱۹۷۷ میں بحرین کا سفر کیا

۳۸ترجمہ

۳۹ترجمہ

اور ۲۰۰۲ میں بحرینی شہریت حاصل ہوئی، اور اب تک وہیں تعلیم وتربیت کے کاموں میں مشغول ہیں.

شکیل بھائی خوبرو، سرخ وسفید اور وجیہ ہیں، زندہ دل، ہنس مکھ اور ملنسار، متواضع وخاکسار، ظریف وسدا بہار، کشادہ دست وفیاض، صاف باطن وخوش اخلاق، جس مجلس میں ہوں اس پر چھا جائین، اردو وعربی دونوں زبانوں پر زبردست قدرت رکھتے ہیں، ان کی اردو میں عجیب چاشنی ہے، ادیب بذلہ سنج ہیں، اور ایک خاص طرز انشاء کے متبع، تحریر دلآویز اور سہل وروان، پڑھتے جائیے، چاشنی کم نہیں ہوتی، ایسا ذوق لطیف رکھنے والے مدتوں میں پیدا ہوتے ہیں: مباش منکر غالب کہ در زمانہ تست.

گاڑی شاہ گنج سے روانہ ہوئی، ہم راستہ کے مناظر اور باتون سے لطف اندوز ہوتے رہے، شکیل بھائی کے بیان کے مطابق ہماری ملاقات اس سے پہلی ہو چکی ہے، لیکن مجھے یاد نہیں، اس لئے میرے نزدیک یہ گویا پہلی ملاقات تہی.

مولانا عبد الرشید ندوی

راستہ میں برادر مکرم مولانا عبد الرشید ندوی صاحب کا فون آیا، انہوں نے شکیل بھائی اور میرے اعزاز میں ندوہ میں آج مغرب بعد ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا تھا، اور چاہتے تھے کہ ہم ۱۲ بجے سے پہلے دار العلوم پہنچ جائین تاکہ سینیر اساتذہ سے ملاقات

ہوجائے، مولانا عبد الرشید صاحب شعبہ تعمیر وترقی کے انچارج مولانا عبد السمیع مرحوم کے فرزند ارجمند ہیں، شکیل بھائی اور سعید الرحمن فیضی بھائی کے ساتھیوں میں سے ہیں، مدتوں بسلسلہ تعلیم وملازمت ریاض میں مقیم رہے، آج کل شباب اسلام میں استاذ محترم مولانا سلمان صاحب کے معاون ہیں، نرم خو ونرم مزاج، سخی ومہمان نواز، سنہ ۱۹۸٦م میں میں اور برادرم حشمت اللہ ریاض میں ایک تربیتی پروگرام کی نسبت سے کچھ روز کے لئے مقیم تھے، تو کئی بار ان کے گھر حاضر ہوئے اور ان کی ضیافت سے بہرہ ور ہوئے.

مولانا کمال اختر

راستہ میں انہونہ میں رکنا ہوا، انہونہ سے تھوڑی دور منار العلم کے نام سے ایک تعلیم گاہ ہے جسے برادر مکرم مولانا کمال اختر صاحب نے قائم کیا ہے، ہم لوگوں نے اس کی زیارت کی، کمال اختر ندوہ میں مجھ سے جونیر تھے، طلبہ میں نمایاں تھے، اور ان پر سعادتمندی کے آثار شروع سے ہویدا، فراغت کے بعد جامعۃ الإمام السید احمد الشہید کی تاسیس وترقی میں مولانا سلمان صاحب کے دست راست رہے، اور اس ادارہ کی ترقی ان کے کمال انتظام کی مظہر. ہم منار العلم پہنچے، اس کی مختلف عمارتوں اور مسجد کی زیارت کی، ایک کمرہ میں ہمیں پانی پلایا گیا اور چائے پیش کی گئی، ایک دوسرے کمرہ میں گلاب جامن وغیرہ، اور تیسرے مرحلہ میں نہاری پائے، پراٹھے، سبزی، حلوا

اور پوری وغیرہ سے ہماری ضیافت ہوئی، بقول شکیل بھائی کے یہ شاہانہ ناشتہ تھا، اور شکیل بھائی نے لمحوں میں اس شاہانہ ناشتہ کو عالمی خبر بنادیا.

ناشتہ کے بعد منار العلوم کے اساتذہ واسٹاف کے سامنے کمال صاحب نے ہمارا تعارف کرایا، ان کی خواہش تہی کہ ہم دونوں خطاب کریں، لیکن میں نے باصرار کہا کہ شکیل بھائی کا خطاب کافی ہے، شکیل بھائی نے تعلیم کی اہمیت پر زور دیا، اور اپنے تجربات کی رو سے مفید نصائح سے نوازا، شکیل بھائی بحرین میں ابن الھیثم اسلامک اسکول کے ناظم ہیں، اور اس ادارہ کو ترقی کی منازل سے ہم آھنگ کرنے میں ان کا ھاتھ ہے، یہاں کے طلبہ ہر سال سکنڈری اور سینئر سکنڈری کے امتحان میں بہترین رزلٹ حاصل کر رہے ہیں، طلبہ کی تعداد ۲۸۰۰ کے لگ بھگ ہے، اس کا شمار بحرین کے مشہور اسکولون میں ہوتا ہے.

منار العلم کے اساتذہ واسٹاف نے شکیل بھائی کی تقریر دلچسپی سے سنی، کمال اختر صاحب نے شکیل بھائی کا شکریہ ادا کیا، اس جگہ کی یہ میری پہلی زیارت تہی، اس ادارہ نے قرب وجوار کے بچون اور بچیون کی تعلیم کا جو نظم کیا اور جس طرح علم کی روشنی پہیلائی اسے دیکھتے ہو یہ واقعتا منار العلم نظر آتا ہی. یہاں سے ہم تقریبا ساڑہے دس بجے نکلے، مولانا عبد الرشید صاحب کا پیغام آیا کہ اگر ہم ۱۲ بجے تک پہنچ جائین تو مولانا سعید الرحمن صاحب سے ملاقات ہوجائے گی، افضل صاحب پردھان

کی عمدہ اور تیز رفتار ڈرائیونگ کے باوجود لکھنؤ کے قریب اور لکھنؤ کے اندر ٹریفک کی وجہ سے ہمیں تاخیر ہوتی گئی.

ہمارا سفر باتوں میں گزرا، میں بحرین میں شکیل بھائی کی سرگرمیون کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا، شکیل بھائی نے ۱۹۸۳ میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا، جس نے جلد ہی ایک ادارے کی شکل اختیار کر لی، جو کتاب اللہ کی خدمت میں لگا ہوا ہے، کتاب الہی سے شکیل بھائی کی دلچسپی قابل تقلید ہے، اور یہی وہ کام ہے جسے علماء کو وسیع پیمانہ پر کرنا چاہئے، آج کل کثرت سے مدرسوں کے فارغین خود کو مفتی لکھتے ہیں اور اس خود ساختہ لقب پر فخر کرتے ہیں، اگر ان کو کتاب الہی کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو جائے تو اپنے کو طالب قرآن کہنے پر خوشی محسوس کریں اور اسے اپنی سعادت سمجھیں، فرمان الہی ہے: ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله وعمل صالحا وقال إننى من المسلمين[٤٠]، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خيركم من تعلم القرآن وعلمه:

امیں راز ہے مردان حر کی درویشی

---

٤٠ ترجمہ

کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبت خویشی[41]
کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہ وصوفی وشاعر کی نا خوش اندیشی
نگاہ گرم کہ شیرون کے جس سے ہوش اڑ جائین
نہ آہ سرد کہ ہے گوسفندی ومیشی

شکیل بھائی نے راستہ میں عربی زبان میں غلطیوں کے کچھ لطیفے سنائے، اس پر زیادہ حیرت ہوئی کہ یہ غلطیان علماء اور پڑھے لکھے لوگوں سے سرزد ہو رہی ہیں، حالانکہ سلف زبان وبیان پر خاص توجہ کرتے تھے، ابن عبد البر نے نقل کیا ہے: **کان عبد اللہ بن عمر یضرب ولدہ علی اللحن**[42].

اس علمی وادبی گفتگو سے محظوظ ہوتے ہوئے ہم بارہ بجے کے قریب لکھنؤ میں داخل ہوئے، اور حضرت گنج کے مانوس راستوں سے گزرتے ہوئے تقریب ساڑھے بارہ بجے ندوہ میں داخل ہوئے، گاڑی دار العلوم کی عظیم الشان بلڈنگ کے سامنے کھڑی ہوئی، اور:

---

٤١ ترجمہ

٤٢ بہجۃ المجالس ١/ ٦٣

نگاہیں جس طرف اٹھیں گل وسبزہ نظر آیا
کوئی فردوس سے رنگینیاں لے کر اتر آیا

ہم اترے تو مولانا عبد الرشید صاحب ہمارے استقبال میں موجود تھے، اخلاص ومحبت کی نشانی ہے کہ مصروفیت اور طبیعت کی ناسازی کے باوجود مولانا نے زیادہ سے زیادہ وقت ہمارے ساتھ گزارا، اور اپنے حسن انتظام سے متعدد پروگرامون کو کامیابی سے ہمکنار کیا، مولانا نے فرمایا کہ مولانا سلمان صاحب کلیۃ الشریعۃ کے دفتر میں ہمارا انتظار کر رہے ہیں، ہم کلیۃ الشریعۃ کی طرف بڑہے اور دیکھتے دیکھتے ہمارے گرد بھیڑ جمع ہو گئی، یہ پہلی بار ہے کہ ندوہ کے اساتذہ وطلبہ اتنی بڑی تعداد میں ہمارے لئے چشم براہ تھے،

ڈاکٹر طارق ایوبی

جب کلیۃ الشریعۃ کے قریب پہنچے تو ایک وجیہ وپر کشش جوان نے بڑھکر شکیل بھائی سے اور پھر مجھ سے مصافحہ کیا، شکیل بھائی نے تعارف کرایا کہ یہ ہیں جناب ڈاکٹر طارق ایوبی صاحب، میں خوشی ومسرت کے ساتھ طارق صاحب سے باتیں کرنے لگا، طارق صاحب تعلیم وتربیت کے عمل سے مربوط ہیں، ندوہ کی بزم دانش کے ابھرتے ہوئے ممبر، علمی وفکری افق پر ایک درخشندہ ستارہ، اور کئی وقیع کتابوں کے مصنف، حمیت وغیرت کے جذبات سے لبریز، ہندوستاں اور عالم اسلام میں مسلمانوں کے

زبون حالی پر دردمند، اور اسلام کی عظمت رفتہ کی واپسی کے لئے کوشان.

مولانا سلمان ندوی

ہم کلیۃ الشریعۃ کے دفتر پہنچے، جہاں پہلے سے علماء اور طلبہ کی اچھی خاصی تعداد جمع تھی، حضرت الاستاذ نے ہماری ضیافت کی اور ہمیں اپنی گران قدر تصنیفات کے تحفے سے نوازا، استاذ محترم ایک نامور محدث ہیں، مایہ ناز مفسر قرآن، قومی، تعلیمی، اجتماعی وسیاسی معاملات میں مسلمانون کے رہنما، میدان خطابت کے شہسوار، اور طوطی شیرین گفتار، آپ کی زبان سے وہ نالے بلند ہوتے ہیں جو دلون کو ھلا کر رکھ دیتے ہیں:

کہسار میں ہر سنگ یہ کہتا ہے پکارے
اے درد مقر ہوں ترے نالون کے اثر کا

دار الشفا گیسٹ ہاؤس اور مسجد

وہاں سے نکلکر ہم دار الشفا گیسٹ ہاؤس پہنچے، جہاں مجھے اور شکیل بھائی کو متصل کمروں میں جگہ ملی، قریب ہی کے کمرے میں برادران مکرم ضیاء الدین اعظمی اور وزیر احمد اعظمی بہی مقیم تھے، ہم نے وضو کیا، اور ظہر کی نماز کے لئے مسجد چل پڑے، مسجد اب پہلے سے بہت زیادہ وسیع ہوگئی ہے، ہم نے ظہر کی نماز ادا کی، اور مسجد میں بعض طلبہ واساتذہ سے ملاقات کی، نماز کے بعد ہم لوگ مہمان خانہ پہنچے، مہمان خانہ سے باہر ہی مولانا سید حمزہ حسنی مد ظلہ ناظر عام دار العلوم، استاذ محترم مولانا نذر

الحفیظ ندوی مدظلہ، استاذ محترم مولانا شمس الحق صاحب مدظلہ اور مکرمی مولانا خالد صاحب ندوی غازیپوری صاحب سے ملاقات ہوئی، اندر جاکر مخدوم معظم واستاذ محترم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء دامت برکاتہم، اور استاذ محترم مولانا سید محمد واضح رشید ندوی دامت برکاتہم سے ملاقات کی، کھانے کے بعد استاذ محترم مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی مہتمم دار العلوم دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی، اللہ تعالی ان بزرگوں کی عمر میں برکت عطا کرے کہ اس پورے قیام کے دوران ہمارے ساتھ اس محبت واکرام کا معاملہ ہوا جو ہماری سطح سے بہت بلند تھا، لیکن جس سے ان حضرات کی تواضع اور عظمت کے نقوش مزید ثبت ہوگئے، عصر کی نماز کے بعد کا وقت بھی ہم لوگوں نے مہمان خانہ میں گزارا، ان بزرگوں میں سے ہر ایک اس شعر کا مصداق ہے:

دنیا سے میں بے نیاز وبیگانہ ہوں
بس اپنی ہی دھن کا ایک دیوانہ ہوں
جو شمع کا ہے نہ انجمن کا محتاج
وہ شعلہ بجان غیور پروانہ ہوں

ایک نشست المعہد العالی میں

مغرب کے بعد المعہد العالی کی عمارت کے ہال میں ہمارے استقبال میں ایک نشست

تہی، ہال طلبہ کی کثرت کی وجہ سے اندر اور باہر سے بھرا ہوا تھا، کچھ اساتذہ بھی موجود تھے، جلسہ استاذ محترم مولانا سعید الرحمن اعظمی کی صدارت میں اور مولانا خالد غازیپوری صاحب کی نظامت میں شروع ہوا، اسٹیج پر شکیل بھائی استاد محترم کے دائیں جانب اور میں بائیں جانب بیٹھا، پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، اس کے بعد ترانہ ندوہ پیش کیا گیا، یہی ترانہ شکیل بھائی نے جشن پچاسی سالہ کے موقع پر پڑہا تھا، مولانا خالد صاحب نے شکیل بھائی کا اور میرا بہت اخلاص اور اپنائیت کے ساتھ تعارف کرایا، مجھے پہلی بار مولانا خالد صاحب کو سننے کا اتفاق ہوا، بہترین اور مؤثر انداز تکلم، استاذ محترم جناب مولانا سلمان الحسینی کے بعد آپ شاید سب سے بڑے خطیب زبان آور ہیں، فصیح گفتگو اور جگہ جگہ مناسب اشعار کے اضافہ نے دلکشی بڑہا دی تہی، آپ کی خوش بیانی نے لوگوں کو مسحور کیا: الٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے.

اس پروگرام میں طے تھا کہ شکیل بھائی اور میں دونوں خطاب کریں گے، وقت کم تھا، اور شکیل بھائی کو کل ہی روانہ ہونا ہے اور مجھے ابھی دو دن قیام کرنا ہے، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس وقت صرف شکیل بھائی اظہار خیال کریں، شکیل بھائی نے مؤثر تقریر کی، تکلف سے پاک شیرین گفتاری کے ذریعہ شکیل بھائی نے اس استقبال پر اپنی خوشی کا اظہار کیا، ندوے میں اپنی طالبعلمی کے دور کی یاد تازہ کی،

اساتذہ کی شفقتون اور محبتوں کا ذکر کیا، پورا مجمع ہمہ تن گوش تھا، شکیل بھائی پرانی یادون میں اس طرح کھوئے کہ فرط جذبات سے آبدیدہ ہوگئے، اورپھر کیا تھا، سامعین کے دل بھی تڑپ اٹھے، شکیل بھائی نے اپنے ہر فضل وکمال کی نسبت مادر علمی کی طرف کی:

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار تو ام
اگر کشادہ جبینم گل بہار تو ام[۴۳]

شکیل بھائی نے ذکر کیا کہ بحرین میں اتنا طویل وقت گزارنے کے باوجود دل اساتذہ کی محبت سے لبریز ہے، اور ندوہ کے مقصد سے مکمل وفاداری کا حال یہ ہے کہ وہاں رہتے ہوئے تعلیمی ودعوتی سرگرمیوں سے جڑے ہیں، شکیل بھائی نے ابن الہیثم اسکول کی ترقیات کا ذکر کرکے حاضرین کے سرون کو فخر سے اونچا کردیا:

جہاں جائیں وہاں تیرا افسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل یاد آتا ہے

استاذ محترم مولانا سعید الرحمن اعظمی دامت برکاتہم نے اپنے خطاب میں شکیل بھائی کی اور میری ہمت افزائی کی، محبت کے ساتھ ہمارے کاموں کو سراھا، استاذ

---

۴۳ ترجمہ

محترم کے الفاظ ہمارے لئے بہت بڑی سند ہیں، آپ وسیع النظر عالم، خوش بیان وبلند آواز خطیب، پر اثر واعظ، عربی زبان کے ممتاز انشا پرداز، اور بے شمار خوبیوں کے مالک۔

عشاء کی نماز کے بعد دار الشفاء گسٹ ہاؤس میں ہمارے اعزاز میں ایک عشائیہ کا انتظام تھا، کھانے کے بعد ہم نے چہل قدمی کی، شکیل بھائی شبلی ہاسٹل میں اپنا کمرہ دیکھنے گئے،

مولانا عبد العزیز صاحب بھٹکلی

اس کے بعد ہم نے سلیمانیہ ہاسٹل جاکر مولانا عبد العزیز صاحب بھٹکلی سے ملاقات کی، مولانا شکیل بھائی کے ساتھی ہیں، اور میرے نگران، بڑے تپاک سے ملے، ان کی صحت ٹھیک نہیں تھی، لیکن بات اسی گرمجوشی سے کی جو ان کا شیوہ رہا ہے، بات بات پر مناسب اشعار، اور پڑھنے کے منفرد انداز نے مجلس میں ایک خاص سماں پیدا کیا، مولانا نے ہمیں کتابوں کے تحفے دیئے، اور ہم یہ سوچتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ندوہ کے ایک ایک دن میں کتنی برکت ہے، اور دلچسپیوں کے کس قدر سامان ہیں:

متى كان الخيام بذي طلوح

سقیت الغیث أیتها الخیام[٤٤]

٤٤ ترجمہ

لکھنؤ میں دوسرا دن

فجر کی نماز کے بعد مولانا محمد قمر الزمان صاحب ندوی اور برادر مکرم اویس سریش والا میرے کمرے میں تشریف لائے، دونوں حضرات نے کچھ سوالات کئے جن کا مناسب جواب دینے کی کوشش کی.

مولانا محمد قمر الزمان صاحب ندوی

مولانا محمد قمر الزمان صاحب ندوی میرے شاگرد ہیں، اور مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتابگڑھ شاخ ندوۃ العلماء میں مدرس ہیں، تربیتی وفقہی موضوعات پر اپنی کچھ تصنیفات مجھے ھدیہ کیں، مولانا ایک صالح اور محنتی عالم ہیں، اور عوام المسلمین اور طلبہ وعلماء کی فکری ودعوتی رھنمائی کرتے رہتے ہیں، مولانا کے عزم وحوصلہ سے خوشی ہوتی ہے.

ایک نصیحت

مولانا اور بعض دیگر نوجوان ندویوں کے علمی وفقہی کاموں کو دیکھکر دو باتیں عرض کرنے کی جرأت کرون گا:

ایک یہ کہ روزانہ ہم کچھ وقت نکالکر قرآن کریم پر غور کریں، اور کتاب الہی میں تدبر وتفکر کی عادت ڈالین، اور ہر مسئلہ کی رھنمائی کے لئے قرآن ہی کو اپنا سر چشمہ بنائین، اس کے بعد قرآن کے بیان کی حیثیت سے سنت نبوی کا مطالعہ

کریں، اور سیرت کو سنت کا پس منظر اور سیاق وسباق سمجھیں، فقہ، اسلامی تاریخ اور بزرگوں کے احوال واقول سے استفادہ ضرور کریں، لیکن انہیں اصل کا درجہ نہ دیں.

دوسری بات یہ ہے کہ ہر موضوع پر اس کے اولین مراجع کی طرف رجوع کریں، درجہ دوم کے مراجع کے درمیاں محققانہ تقابل وترجیح کا طریقہ اپنائین، اوریہی علمی تحقیق کا بنیادی اصول ہے، مثلا حنفی فقہ کے کسی مسئلہ کے لئے امام ابو حنیفہ کے شاگردون امام محمد وغیرہ کی کتابوں کا مطالعہ کریں، ان کے دلائل کو سمجھنے کی کوشش کریں، اس کے بعد دوسرے مذاھب کی تحقیقات سے ان کا موازنہ کریں، تاکہ کسی رائے کی مضبوطی یا کمزوری دلیل کی روشنی میں واضح ہوسکے.

یہ کام محنت طلب ہے، لیکن اس سے ہمارے علم میں گہرائی پیدا ہوگی، اور توسع، اور یہ صدق وامانت کا پہلا زینہ ہے.

اویس سریش والا

برادر مکرم اویس سریش والا مجھ سے ملاقات کیلئے کل سے تشریف فرما ہیں، موصوف کا مجھ سے قدیمی ربط ہے، اس ملاقات کے تین مقاصد تھے، ایک اپنے صاحبزادے کے بارے میں جو ندوہ میں زیر تعلیم ہیں مشورہ کرنا، دوسرے بمبئی میں ایک خصوصی

پروگرام کے لئے وقت لینا، اور تیسرے عورتوں کے حقوق اور تعلیم کے متعلق کچھ سوالات واشکالات کا حل معلوم کرنا.

عورتوں کی تعلیم

بعض نوجوان علماء کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعلیم اور ان کے حقوق کے لئے میں اتنی جد وجہد کیون کر رہا ہوں، اور خاص طور سے اس سفر میں میرے اکثر خطابات انہیں موضوعات کے متعلق تھے، اس لئے یہاں اس مسئلہ کی مختصر وضاحت ضروری ہے.

علماء کی ذمہ داری ہے کہ قرآن وسنت کے جس حکم کی تحریف ہو یا اس پر عمل یا اس کے نفاذ میں رکاوٹ ہو وہ اس تحریف کا خاتمہ کریں اور قرآن وسنت کی حکم پر عمل کرنے اور اور اس کے نفاذ کی راہ ہموار کریں، عورتوں کے بنیادی انسانی اور اسلامی حقوق خدا کے دیئے ہوئے ہیں اور اس کے پیغمبر کے بیان کردہ ہیں، ان حقوق کے لئے جد وجہد کرنا پوری امت کی ذمہ داری ہے.

عورتوں پر جو زیادتی ہو رہی ہے اور جس طرح ان کو ان حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے جو خدا اور اس کے پیغمبر نے انہیں دیئے ہیں اس کے نقصانات بہت واضح ہیں، عورتیں صرف اسلام سے بد ظن نہیں بلکہ بہت بڑی تعداد میں مرتد ہو رہی ہیں، اور اس کی وجہ سے بہت سے مرد بہی ارتداد کا شکار ہیں، اس صورت حال کا صحیح

اندازہ نہ کرنے کی وجہ سے علماء کی قیادت کمزور پڑ رہی ہے.

اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ عورتوں کے متعلق ہمارا منفی رویہ عورتوں کے عظیم احسانات کی نا شکری وقدر دانی اور ان کے کارنامون سے چشم پوشی کی دلیل ہے، اقبال نے خواتین اسلام کو خطاب کرتے ہوئے کتنی دل میں اترنے والی بات کہی ہے:

زشام ما برون آور سحر را
بہ قرآن باز خوان اھل نظر را[٤٥]
تو می دانی کہ سوز قراءت تو
دگر گون کرد تقدیر عمر را[٤٦]

عورتوں کے حقوق

آج آٹھ بجے تعلیم نسوان کالج لکھنؤ میں میرا ایک لکچر ہے، کالج کی گاڑی ہمیں لینے کے لئے آئی، اور میں، برادر مکرم وزیر احمد اعظمی اور میرے بھائی اجمل ہم تینون وہاں وقت پر پہنچ گئے، کالج کی ڈائرکٹر محترمہ تبسم قدوائی صاحبہ اور استانیوں نے ہمارا

٤٥ترجمہ

٤٦ترجمہ

استقبال کیا، اس کالج میں طالبات کی تعداد ما شاء اللہ بہت زیادہ ہے، میں نے ان کے سامنے عورتوں کے حقوق، ان کی تعلیم کی اہمیت پر ایک گھنٹہ تقریر کی، اس کے بعد تقریبا ایک گھنٹی تک سوال وجواب کا سلسلہ چلا، بڑی خوشی ہوئی کہ یہ بچیان اپنے دین کی بنیادی باتیں جاننے کے لئے کس قدر بیتاب وشوقین ہیں، استانیون نے بہی کچھ سوالات کئے، ایک سوال نے خاص طور سے مجھے تڑپا دیا، ایک بچی نے پوچھا کہ کیون ہم عورتیں پیدائشی بد نصیب ہوتی ہیں، سوالات ختم ہونّے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے اور وقت زیادہ ہورہا تھا، آخر میں برادر مکرم وزیر احمد اعظمی نے بہی ایک مختصر تقریر کی جس میں عورتوں کی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا، اور دعا پر پروگرام ختم کیا، تبسم قدوائی صاحبہ کے آفس میں ہمارے لئے ناشتے اور چائے کا انتظام کیا گیا تھا، کچھ استانیان بہی وہاں جمع ہوئین، کالج کی تعلیمی حالت، مقاصد اور دیگر امور پر تبادلہ خیال ہوا، تبسم قدوائی صاحب ندوہ کے دفتر کے سابق محرر جناب افتخار قدوائی صاحب مرحوم کی صاحبزادی، اور بچیون کی تعلیم کے لئے بہت حوصلہ مند ہیں.

ہم گیارہ بجے کے قریب ندوہ واپس آئے، کچھ دیر آرام کیا، اور جمعہ کی نماز کے لئے مسجد پہنچے، مولانا خالد صاحب اردو میں تقریر فرما رہے تھے، تقریر مؤثر تہی، اس کے بعد استاد محترم مولانا سعید الرحمن صاحب نے تقریبا بیس منٹ تک عربی میں خطبہ دیا، آواز میں وہی زیر وبم، اور وہی فصاحت بیان جو نصف صدی سے مولانا کے خطبون

کی پہچان ہے، مولانا نے ان طلبہ کو تنبیہ فرمائی جو دیر سے مسجد پہنچے، نماز کے بعد ہم نے اساتذہ کرام کے ساتھ مہمان خانہ میں کھانا کھایا، وہ کیا سکون تھا جو اس مقدس جماعت کے ساتھ ہمنشینی میں محسوس ہو رہا تھا.

کل اور آج دو دنوں میں جن اھل علم احباب سے خاص ملاقات رہی ان میں مولانا محمود حسن حسنی ندوی، عزیزان گرامی خلیل حسنی، امیں حسنی، شعیب حسینی، اور محمد عمران فراہی شامل ہیں.

مولانا محمود حسنی

مولانا محمود حسنی نائب مدیر تعمیر حیات نے ندوہ سے سنہ ۱۹۹۰ میں عالمیت، اور سنہ ۱۹۹۲ میں فضیلت کی، ایک سنجیدہ محقق و مصنف، اور متواضع، کریم النفس اور با اخلاق انسان ہیں، متانت وشائستہ فکری کے حامل ہیں، مولانا کی کئی تصنیفات پڑہی ہیں، اور ان سے حسنی خاندان کی تاریخ ونسب کے متعلق استفادہ بہی کیا ہے، اس خاندان کی تاریخ پر اس وقت شاید سب سے اچہی نظر ان کی ہے، سوانح نگاری کی ایسی مشق بہم پہنچائی ہے کہ اس صنف کے صاحب طرز مصنفین میں ان کا شمار ہوتا ہے،

مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی

اس سفر میں مجہے اپنی کتاب (تذکرہ مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی) ہدیہ کی، مولانا

عبدالباری ندوہ میں میرے درجہ کے ساتھی تھے، انہوں نے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی جس طرح خدمت کی اور بھٹکل میں جس طرح اصلاح ودعوت کا کام کیا بھٹکل میں اس کی نظیر نہیں، مولانا کی زندگی کی جو تفصیلات آئی ہیں وہ قابل رشک ہیں، پاک دل، پاک ذات، پاک صفات:

عشق کوئی ہمدرد کہیں مدت میں پیدا کرتا ہے
کوہ رہیں گو نالان برسون لیکن اب فرہاد نہیں

خلیل حسنی

خلیل حسنی سلمہ میرے مخلص دوست جعفر مسعود حسنی کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں، جب میں ندوہ میں طالب علم تھا تو کبھی کبھی مولانا بلال حسنی کی زیارت ہوتی تھی، وہ اس وقت بہت چھوٹے تھے، لیکن شروع ہی سے بزرگ لگتے تھے، اور اب تو واقعتا بزرگ ہوگئے ہیں، بارک اللہ فیہ، ان کے بعد حسنی خاندان کے جس نو عمر ونوخیز کی بزرگی دل میں راسخ ہوئی وہ خلیل حسنی ہیں، اللہ تعالی ان کے علم وعمل میں اضافہ کرے، اور انہیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلائے، خلیل سلمہ کی دلچسپی حدیث وعلوم حدیث سے ہے، ضیاء العلوم تکیہ کلاں میں مدرس ہیں، اور بحث وتحقیق اور تصنیف وتالیف میں مشغول، مزاج میں سلامتی ہے، پاک طینت وپاکنہاد، وعزائم بیدار، روح تابندہ وتپان.

امین حسنی

امین سلمہ جعفر بھائی کے دوسرے صاحبزادہ ہیں، نیک، با صلاحیت اور ذہن رسا کے مالک، تفسیر سے خاص دلچسپی ہے، اور ضیاء العلوم میں تدریس کے ساتھ اپنے بھائی کی طرح بحث و تحقیق اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں، دونوں بھائیون کا راقم الحروف سے خاص تعلق ہے.

شعیب حسینی ندوی

شعیب حسینی ندوی سلمہ برادرم مکرم مولانا صہیب حسینی کے صاحبزادہ ہیں، حدیث اور علوم حدیث سے دلچسپی ہے، عربی زبان پر اچھی قدرت ہے، سعادتمند ہیں، علمی ترقی کے لئے کوشان، مجھ سے تعلق رکھتے ہیں، ملاقات مختصر سہی، لیکن ان سے انس ویگانگت ہے.

عمران فراہی

عمران فراہی میرے شاگرد ہیں، مولانا فراہی کے وطن پہریہا کے رہنے والے ہیں، زمانہ طالبعلمی سے مجھ سے تعلق رہا ہے، میری اور میرے ساتھیوں کی بہت خدمت کی، ندوہ کے بعد ازہر سے بی اے اور ایم اے کیا، عربی اور اردو پر اچھی قدرت ہے. شکیل بھائی کی آج روانگی ہے، برادر مکرم ضیاء الدین صاحب اور عزیز گرامی عمران

فراہی بہی ان کے ساتھ جانے کے لئی تیار ہوگئے، افضل پردھان صاحب کو شہر میں کچھ کام تھا جس کی وجہ سے ان کے آنے میں تاخیر ہوئی، شکیل بہائی اور ان کے رفقاء عصر سے کچھ پہلے ندوہ سے روانہ ہوئے، ہم نے شکیل بہائی کو رخصت کیا، ۲۴ تاریخ کو مدرسۃ الإصلاح میں میری تقریر ہے، وہیں ان شاء اللہ دو بارہ ملاقات ہوگی.

برادر مکرم مولانا عبد الرشید صاحب نے مدرسہ سیدنا بلال ڈالی گنج میں آج عصر کے بعد میرے ایک خطاب کا اہتمام کیا ہے، جس میں شرکت کے لئی مولانا کے ساتھ میں، برادر مکرم وزیر صاحب، میرے بہائی اجمل وغیرہ پانچ بجے سے بہلے نکل گئے، اور عصر کی نماز وہیں پڑہی، مولانا ابو سحبان روح القدس استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء اور مولانا فخر الحسن ندوی ناظم مدرسہ اور مدرسین وطلبہ نے ہمارا استقبال کیا، پروگرام بہت منظم تھا، بہت وقیع لفظونّمیں میرا تعارف کرایا گیا، اس کے بعد مولانا ابو سحبان صاحب نے ہندوستاں میں علمی بحث و تحقیق کی مختصر تاریخ بیان کی، جس سے سامعین کی معلومات میں اضافہ ہوا، انہوں نے راقم حروف کو بہی اسی تاریخ سے جوڑنے کی کوشش کی، میں نے اپنے خطاب میں مدرسے کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کیا، مولانا ابو سحبان صاحب کی تقریر کو سراہا، اپنی تصنیفات کا مختصر تعارف

پیش کیا، اور طلبہ سے خطاب کیا کہ اس وقت ہندوستاں میں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانون میں ارتداد کی وبا پھیلی ہوئی ہے، علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس صورت حال کو سمجھیں، ان علمی وفکری اسباب کا جائزہ لین جن کی وجہ سے یہ ارتداد پھیل رہا ہے، ان شکوک وشبہات کا جواب دینے کی تیاری کریں، اور اپنا ذہن داعیانہ بنائین، تقلید اور دوسرون کے اقوال وافعال کی بغیر سمجھے اتباع کرنے سے بچین، پروگرام کے آخر میں مولانا فخر الحسن صاحب نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا.

مولانا ابو سحبان ندوی

ہم نے وہاں چائے پی، اور مغرب کی نماز جاکر ندوہ میں پڑہی، مولانا ابو سحبان صاحب نے اپنا تازہ نقش قلم (تحقيق حواشي السعدي على مقدمة الشيخ عبدالحق المحدث الدهلوي) مجھے ہدیہ کیا، مولانا ابو سحبان صاحب عربی اور اردو میں ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں اہم (روائع الأعلاق شرح تهذيب الأخلاق)، (تخريج الحديث مفهومه وطريقته وأشهر المؤلفات فيه)، (الأستاذ العلامة أبو محفوظ الكريمي المعصومي حياته وآثاره) ہیں، پیش نظر کتاب عمدہ تحقیق کی بہترین مثالوں میں سے ہے، شروع میں محقق نے ایک طویل

مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جو شیخ عبد الحق المحدث الدہلوي کی سوانح، تصنیفات، اور صاحب حواشی کے ترجمہ پر مشتمل ہے، صاحب حواشي علامہ محدث محمد عمیم الاحسان المجددي البرکتي السعدي (۱۳۲۹-۱۳۹۳ھ) متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، ان کے یہ حواشی مقدمہ کی مشکلات و مطالب کی بہترین شرح ہیں.

اصول تعلیم وتربیت پر تقریر

مغرب کے بعد مولانا ابو الحسن علی ندوی ہاسٹل کے ہال میں اصول تعلیم وتربیت کے موضوع پر میرا ایک لکچر تھا، ندوہ میں میرے پروگرامون کے اھتمام کی ذمہ داری انتظامیہ نے جن حضرات کو سونپی تہی، ان میں ندوہ کے دو اساتذہ پیش پیش تھے، ایک مولانا محمد وثیق صاحب، دوسرے مولانا محمد خالد گونڈوی.

مولانا محمد وثیق صاحب

مولانا وثیق صاحب ندوہ کے نوجوان لائق، با صلاحیت اور محنتی اساتذہ میں سے ہیں، الرائد کے معاون ایڈیٹر، مہپت مئو، لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، سنہ ۱۹۹۸ میں ندوہ سے عالمیت کی، اور اس کی بعد تخصص في الادب کیا، عربی انشاء پردازی میں ممتاز ہیں، اور عربی اور اردو میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں، اخلاق عالیہ سے متصف، متواضع اور صالح وفراخ دل، مادر علمی سے بہت محبت ہے اور اس کی ترقی کے لئے فکر مند وکوشان، استاذ محترم مولانا محمد واضح رشید ندوی دامت برکاتہم سے فکر

واسلوب میں استفادہ کیا ہے، اور شاید یہ وہ نقطہ ہے جس نے وثیق صاحب اور میرے درمیاں ایک قسم کی ہم آہنگی پیدا کردی ہے:

فروغ حسن سے تیرے چمک گئی ہر شی
ادا ورسم بلالی وطرز بو لہبی
وہیں سے عشق نے بہی شور شین اڑائی ہیں
جہاں سے تو نے لئے خندہ ھائے زیر لبی

مولانا محمد خالد گونڈوی

مولانا خالد ندوی حافظ قرآن ہیں، ندوہ سے عالمیت و فضیلت کی، شروع سے میرے شاگرد ہیں، اور آج تک ان کی طالبعلمی کا زمانہ میری آنکھوں کے سامنے ہے، اور ان کی سعادتمندی کا نقش دل سے کبہی محو نہیں ہوا، خالد کی ذہانت، شرافت اور صلاحیت سے ہمیشہ متاثر رہا، اس وقت وہ ندوہ کے فائق اساتذہ میں سے ہیں، مزاج میں خلقی شگفتگی ہے، اور میرے لئے یہ ایک قسم کا انکشاف ہے کہ تدریس کے ساتھ خطابت پر بہی قدرت رکھتے ہیں، اللہ تعالی ان کو مزید ترقیات سے نوازے.

طالب علم کی ذمہ داری

میں، برادر مکرم وزیر صاحب، مولانا وثیق صاحب وغیرہ رواق ابو الحسن پہنچے، تو ہال طلبہ سے بہرا ہوا تھا، بہت سے طلبہ باہر بہی کہڑے تھے، کچہ اساتذہ کرام نے بہی

شرکت کی، استاذ محترم مولانا نذر الحفیظ ندوی مد ظلہ العالی کی تشریف آوری سے تقویت ملی، محترمی مولانا خالد غازیپوری صاحب نے بہی شرکت فرمائی، خالد ندوی صاحب نے میرا تعارف کرایا، اور اپنی شاگردی کا ذکر کیا، میں نے اپنے خطاب میں اس پر زور دیا کہ علم کتاب خوانی یا ورق گردانی کا نام نہیں، بلکہ تعلیم کا سب سے اہم اصول یہ ہے کہ استاذ ہر مسئلہ کو اچھی طرح سمجھائے اور طلبہ کے ذہن نشین کرائے، اور طلبہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ہر مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں، کیونکہ اگر استاد نے سمجھایا نہیں تو اس نے پڑھایا نہیں، اور اگر طالب علم نے سمجھا نہیں تو اس نے پڑھا نہیں.

میں نے وضاحت کی کہ یہ کافی نہیں ہے کہ حقائق کا علم اخذ کیا جائے، بلکہ یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی حقیقت تنہا اور منفرد و منعزل نہیں ہے، حقائق آپس میں مربوط، منظم و ہم آھنگ ہیں، جس طرح جسم انسانی کے اعضاء جدا جدا حقیقت ہونّے کے باوجود ایک دوسرے سے مربوط ہیں، ان میں ہم آہنگی ہے اور تنظیم ہے، یہی حال کائنات کے تمام مظاہر کا ہے، چاند ایک حقیقت ہے، مگر اس کا سورج سے، زمیں سے اور دوسرے مظاہر سے ربط ہے، یہ تخلیقی حقائق ہیں، علوم وفنون میں بہی یہی قانون کار فرما ہے، نحو کا ہر مسئلہ بذات خود ایک حقیقت ہے، لیکن نحو کے تمام مسائل باہم مربوط ہیں، اور اسی طرح علم نحو دوسرے بہت سے علوم سے مربوط ہے، یہی حال

اصول الفقہ، اصول الحدیث اور تمام علوم کا ہے، ضروری ہے کہ ہم ان حقائق کے باہمی ربط کو سمجھیں، اس سے ان علوم کے راز ہم پر منکشف ہوں گے، اور بہت سی غلطیاں ہم پر واضح ہوں گی، میں نے مختلف علوم کی متعدد مثالون سے اس مسئلہ کی تشریح کی.

پروگرام استاد محترم مولانا نذر الحفیظ صاحب مد ظلہ العالی کی دعا پر ختم ہوا، عشاء کی نماز کے بعد میں نے استاد محترم مولانا واضح صاحب کی خدمت میں حاضری دی، مولانا کو میرے لکچر کی خبر ہوچکی تہی، میری ہمت افزائی فرمائی، مہمان خانہ میں اساتذہ اور مہمانون کے ساتہہ کہانا کہایا، استاد محترم مولانا واضح صاحب کی خدمت میں کچہہ وقت گزار کر مخدوم معظم حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم کی مجلس میں حاضر ہوا، مولانا دنیا کی مختلف زبانوں پر عربی زبان کے اثرات کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے، انگریزی زبان کے بہی بہت سے ان الفاظ کا ذکر کیا جو عربی زبان کے ہیں یا عربی زبان سے محرف ہیں، مجلس ہمیشہ کی طرح علمی، ادبی اور روحانی برکتوں سے پر تہی:

ازل سے فطرت احرار میں ہیں دوش بدوش
قلندری وقبا پوشی وکلہ داری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے

انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

لکھنؤ میں تیسرا دن

مولانا محمد زکریا سنبھلی

آج برادر مکرم ولی اللہ کے ساتھ فجر کے بعد استاذ محترم مولانا محمد زکریا سنبھلی مد ظلہ کی عیادت کے لئے جانا ہے، میں اور وزیر صاحب مسجد کے باہر ٹہل رہے تھے کہ ولی اللہ آگئے، ولی اللہ ندوہ میں میرے کمرہ کے ساتھی رہ چکے ہیں، امام اہلسنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے عثمان بھی تھے، ان کی سکوٹرز پر میں اور وزیر صاحب سوار ہوئے، اور تھوڑی دیر میں مولانا کے گھر پہنچ گئے، مولانا کے بڑے صاحبزادہ مولانا یحیی نعمانی سے ملاقات ہوئی، جو ندوہ میں میرے شاگرد رہ چکے ہیں، بڑی خوشی سے ہمارا استقبال کیا، مولانا یحیی ایکراسخ و متمکن عالم دین اور حکیم ودانا صاحب قلم ہیں، مولانا کی مضامیں وتصنیفات نے اھل علم سے داد تحسین حاصل کی ہے.

تہورے دیر کے بعد ہم نے استاد محترم سے ملاقات کی، ایکسیڈنٹ کے بعد ابھی آرام کر رہے ہیں، اللہ تعالی مکمل شفاء عطا کرے، ہم نے مزاج پرسی کی، مولانا کی باتیں سن کر پرانی یادین تازہ ہوگئین، ہم نے مولانا سے ہدایہ اور مشکوۃ پڑہی ہے، اور مجھے مولانا سے اجازت حاصل ہے، میں نے دونوں استدعاءات پر بھی مولانا سے اجازت

لی، مولانا نے صحیح بخاری علامہ فخر الدین صاحب سے، صحیح مسلم مولانا بشیر احمد خان صاحب سے، سنن الترمذي علامہ ابراہیم بلیاوی اور مولانا فخر الحسن سے، سنن أبي داود مولانا فخر الحسن سے، سنن النسائي مولانا عبد الأحد سے، سنن ابن ماجہ مولانا معراج الحق سے، موطأ مولانا شریف الحسن سے، اور موطأ محمد بہرائچ کے مولانا حافظ النعماني سے پڑہی ہے، مولانا نے شاہ ولي الله کے تینون رسالوں (**الفضل المبين في المسلسل من حديث النبي الأمين صلى الله عليه وسلم، والدر الثمين في مبشرات النبي الأمين صلى الله عليه وسلم، والنوادر من أحاديث سيد الأوائل والأواخر صلى الله عليه وسلم**) کا سماع مولانا زکریا کاندہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کیا.

مولانا نے اپنا کتابچہ (حضرت مولانا سید صدیق احمد باندوی: نقوش وتأثرات) ہمیں ھدیہ کیا، آپ مولانا صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت قریب رہ چکے ہیں، اور ہمیں کلاس میں ان کے واقعات بہی سناتے تھے، ایک واقعہ جو کئی بار سنایا ہے اسے اس کتاب سے نقل کرتا ہوں:

ایک طالبعلم لال محمد تھا، پڑھتا نہ تھا، کئی بار حضرت سے عرض کیا کہ اس کو اس کے گھر بھیج دیجئے، حضرت ٹال دیتے، ایکدن فرمانے لگے: لوگ کہتے ہیں لال محمد نہیں پڑھ پائے گا، دیکھئے اس کا قرآن مجید ناظرہ ختم ہوگیا، میں سمجھ گیا

مخاطب میں ہی ہوں، میں نے عرض کیا: اس نے پانچ سال میں صرف ناظرہ قرآن ختم کیا، حضرت کا جملہ ہمیشہ یاد رہے گا، کسی قدر شان جلالی کے ساتھ فرمایا: مولانا اپنے گاؤں میں اسلام کو سمجھنے والا صرف لال محمد ہوگا، اس علاقے کے لڑکے یہاں پڑے رہیں، خواہ ایک لفظ نہ پڑھیں تب بھی مجھے گوارہ ہے، میں سچ عرض کرتا ہوں، بالکل ایسا محسوس ہوا کہ میری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا، اس جملہ سے وہ سامنے سے ہٹ گیا"[٤٧].

ہم لوگ تقریبا ساڑھے سات بجے واپس دار العلوم میں پہنچے، اپنے بھانجے محمد عبیدہ کے داخلہ کی کار روائی کے دوران استاد محترم مولانا سعید الرحمن صاحب کے داماد مولانا عبد اللہ مخدومی ندوی سے ملاقات ہوئی، مخدومی صاحب نے ٹھنڈے پانی اور چائے سے ہماری ضیافت کی، اور میرے ساتھ بڑے احترام سے پیش آئے،

مولانا فرمان ندوی

وہیں پر مولانا فرمان ندوی سے ملاقات ہوئی، فرمان صاحب نے استاد محترم مولانا سعید الرحمن صاحب پر پی ایچ ڈی کی ہے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، استاذ محترم کی تحریرون کو جمع کرنے کا خاص کام کیا ہے، البعث الإسلامی میں آپ کے معاون

---

٤٧ حضرت مولانا سید صدیق احمد باندوی: نقوش وتأثرات ص ٢٥

ہیں، اس وقت ندوہ کے بہترین نوجوان قلمکاروں میں سے ہیں.

استاد محترم مولانا سعید الرحمن صاحب

اس کے بعد استاد محترم مولانا سعید الرحمن صاحب سے دونوں استدعاءات پر اجازت لی، آپ نے اصول ستہ مولانا حبیب الرحمن أعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کی ہے اور ان سے اجازت بہی حاصل کی ہے، آپ کو شیخ عبد الفتاح أبو غدة، مولانا محمد زکریا کاندہلوی، علامۃ تقي الدين هلالي، اور أبو الحسن علي الندوي سے اجازت عامہ حاصل ہے، استاذ گرامی نے تقریبا نو سو صفحات پر مشتمل اپنی کتاب (۴۸ سال شفقتون کے سائے میں) عنایت کی، وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس سے مدت استفادہ کی ایک ھلکی سی جھلک سامنے آجاتی ہے، اور سنہ ۱۹۵۲ سے لیکر ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۹۹ تک حضرت مولانا کی شفقتون سے سرفرازی کی ایک تصویر نظروں کے سامنے پھر جاتی ہے"[۴۸]

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مد ظلہ مقدمہ میں کتاب کا تعارف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ تالیف جو اس وقت میرے سامنے ہے، یہ بیک وقت آپ بیتی بہی ہے

---

۴۸ ۴۸ سال شفقتوں کے سائے میں ص ۵۰

اور جگ بیتی بھی، مولانا کو ان کے والد ماجد نے یوں تو ندوہ میں داخلہ کے لئے بھیجا تھا، لیکن اصل مقصود یہ تھا کہ آپ حضرت مولانا علی میاں ندوی کے دامن تربیت سے وابستہ ہوں، چنانچہ یہ وابستگی ایسی اٹوٹ رہی کہ تادم آخرین آپ مولانا کے مقرب ترین اور معتمد ترین لوگوں میں شامل رہے، اور ندوہ کے ساتھ آپ کا تعلق لازم وملزوم کا سا رہا"[٤٩].

استاد محترم مولانا رابع حسنی ندوی

مہمان خانہ جاکر ناشتہ کیا، اور مخدوم معظم استاد محترم مولانا رابع حسنی ندوی سے (**جزء فيه الأحاديث العوالي الثمانيات والتساعيات: تخريج الإمام المسند الرُّحْلة أبي طاهر مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروزآبادي صاحب القاموس** (٧٢٩-٨١٧ھ) پڑھا، اور دونوں استدعاءات پر اجازت لی، آپ کو مولانا زکریا کاندہلوی، مولانا ابو الحسن علی ندوی اور شیخ عبد الفتاح وغیرہ سے اجازت حاصل ہے، آپ نے بخاری شریف ودیگر کتب حدیث کے کچھ حصے شاہ حلیم عطا رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے ہیں جن کو علامہ حسین بن محسن الأنصاري اليماني سے براہ راست اجازت حاصل تھی، مجلس کے اختتام پر آپ نے وہ قلم جس سے اجازت

---

[٤٩] ٤٨ سال شفقتوں کے سائے میں ص ٣٧

تحریر کی تہی مجھے مرحمت فرمایا، میں نی شکریہ ادا کرکے قلم لے لیا اور اسے اپنے حق میں نیک فال تصور کیا، اے اللہ دین وعلم کی خدمت کی توفیق عطا کر، آمین.

آج ہمیں جامعۃ الإمام السید احمد الشہید کٹولی کی زیارت کرنی ہے، برادر مکرم ولی اللہ گاڑی لیکر آگئے، اور مولانا عبد الرشید ندوی صاحب کی سربراہی میں راقم السطور، وزیر صاحب، میرے بھائی اجمل تقریبا دس بجے ندوہ سے روانہ ہوئے، ولی اللہ نے ہم سے کہا کہ راستہ میں کاکوری میں دار العلوم فاروقیہ شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء میں بھی تھوڑی دیر کے لئے رکنا ہے،

مولانا معاویہ فاروقی

میں اس سے پہلے کاکوری جا چکا ہوں، وہاں فاروقی خاندان کے نوجوان، ذہین اور با صلاحیت عالم مولانا معاویہ فاروقی نے ہمارا استقبال کیا، معاویہ فاروقی سے ہماری انسیت کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ان سے ہمارے دوست ولی اللہ کی صاحبزادی کا رشتہ طے ہوا ہے، اللہ تعالی اس رشتہ میں برکت دے اور دونوں گھرانوں کے لئے اسے باعث خیر بنائے، یہاں ہمارا پر زور خیر مقدم ہوا، یہاں کے اساتذہ سے ملاقات ہوئی، خاص طور سے مولانا کاظم ندوی جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور اھل علم میں شہرت کے حامل ہیں، اور ہمارے دوست اور ساتھی عبد الحی ندوی کے ہموطن ہیں،

مولانا عبد العلی فاروقی

ہمارے لئے بڑے شرف کی بات یہ تہی کہ دار العلوم فاروقیہ کے ناظم امام اھلسنت مولانا عبد الشکور رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مولانا عبد العلی فاروقی سے نیاز حاصل ہوا، مولانا کی شرافت وتواضع کا گہرا اثر پڑا، مولانا نے اپنی کئی تصنیفات ہدیہ کیں، ان میں ایک تصنیف ہے (میں نے بہی جنہیں دیکھا ہے)، جو اس عہد کے اہم علماء کے تذکرون پر مشتمل ہے، جن میں مولانا کے آباء، اساتذہ، صلحاء اور دیگر اکابر ملت شامل ہیں، میرے لئے سب سے زیادہ کشش اس کتاب کے انتساب میں ہے:

"اس صبر وشکر کی پیکر خاتون کے نام جس نے مجھ پر اپنی محبت کے ڈونگرے لٹاتے ہوئے بہی اپنے ذوق عبادت کی تسکین کا سامان اس طرح کیا کہ ہر مشکل گھڑی اور ہر تعلیمی امتحان کے موقع پر اس نے مجھے نماز حاجت پڑھ کر رخصت کیا اور میری کامیابی کا استقبال نماز شکرانہ ادا کرکے کیا --- کیونکہ وہ بڑے اعتماد ویقین کے ساتھ اور بڑے پر سوز انداز میں یہ شعر گنگنایا کرتی تہیں کہ:

ضائع نہ جائے گی کبہی محنت نماز کی
اللہ دینے والا ہے اجرت نماز کی

نانی محترمہ وافیہ خاتون کے نام -- جنہیں میں نے ہمیشہ امان کہکر ہی مخاطب

کیا -- اور شدید چاھت کے باوجود ان کا تذکرہ یہ سوچ کر میں اس کتاب میں شامل نہیں کرسکا کہ دوسرون کے لئے ان کے تذکرہ میں دلچسپی کا کیا سامان؟ --- وہ تو بس میری امان تہیں.

مولانا عبد العلی فاروقی صاحب سے گزارش ہے کہ وہ اپنی اماں (یعنی نانی محترمہ) کا تذکرہ تفصیل سے لکہیں، اور مجہ جیسے ہزارون انسان ایسے ہیں جنہیں اس سے دلچسپی ہوگی.

مولانا عبد الشکور لکھنوی کے کارنامے

طلبہ کے سامنے میرا ایک مختصر خطاب ہوا، میں نے ذکر کیا کہ مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے مجہے دو خصوصی نسبتین حاصل ہیں، ایک تو یہ کہ وہ میرے ساتہی ولی اللہ کے نانا تھے جس کی وجہ سے ان کا نام اور ان کا تذکرہ ندوہ میں ہمیشہ سنتا رہا، دوسرے یہ کہ مجہے مولانا عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت حاصل ہے جنہیں براہ راست مولانا عبد الشکور ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت تہی، اس کے بعد میں نے طلبہ کے سامنے مولانا عبد الشکور رحمۃ اللہ علیہ کے اس عظیم کارنامہ کی یاد دھانی کی کہ جب لکھنؤ اور اس کے اطراف میں رفض و تشیع کا غلبہ ہوا، اور سنیوں کے اندر بہی یہ بدعات سرایت کرنے لگیں تو مولانا عبد الشکور رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتنہ کے سد باب کا عظیم کارنامہ انجام دیا، آج پہر شیعیت سر اٹہا رہی ہے، اس مدرسہ کے

طلبہ اس مدرسہ کو ندوہ میں داخلہ کے لئے معبر کے طور پر استعمال نہ کریں، بلکہ یہ سمجھیں کہ اللہ تعالی نے انہیں یہاں بھیجا ہے، جس شخصیت کی طرف اس مدرسہ کی نسبت ہے اس کی حیات اور کارنامون کا مطالعہ کریں، اور عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لینے والے تازہ فتنہ شیعیت کے مقابلہ کی تیاری کریں.

بستان المحدثین کا ترجمہ

ہم تقریبا ساڑہے بارہ بجے کے قریب جامعۃ الإمام السید أحمد الشہید پہنچے، برادران مکرم مولانا سیدیوسف الحسینی، مولانا سیدیونس الحسینی اور مولانا کمال اختر ندوی ہمارے منتظر تھے، مولانا کمال اختر صاحب نے میرا تعارف کرایا، میں نے اساتذہ اور طلبہ کے سامنے طلب علم کی اہمیت اور اس کے لئے محنت کرنے کے موضوع پر مختصر بات کی، میں نے اپنے اوپر استاذ محترم مولانا سید سلمان الحسینی کے علمی احسانات کا تذکرہ کیا، اور یہ بتایا کہ سب سے پہلے مولانا ہی کی ہمت افزائی پر طالبعلمی کے زمانہ میں میری ایک تحریر البعث الإسلامي میں شائع ہوئی، یہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے رسالہ دانشمندی کا فارسی سے عربی میں ترجمہ تھا، مولانا ہم لوگوں کو شاہ عبد العزیز صاحب کی بستان المحدثین پڑہاتے تھے، کتاب فارسی میں تہی، میں روزانہ کلاس میں سبق کا ترجمہ اردو میں کرتا، مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ اس کتاب کا ترجمہ عربی میں کردو تاکہ اس کا فائدہ عام ہو کیونکہ فارسی کا علم ختم ہوتا جا رہا ہے، میں نے اس کا ترجمہ

عربی میں کیا، بعد میں اسی کو اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کا موضوع بنایا، اور یہ کتاب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ کے ساتھ دار الغرب الإسلامی سے شائع ہوئی، برادرم یوسف الحسینی نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی کتابوں اور انگلینڈ میں اپنے کام کا ایک تعارف پیش کردوں، اس حکم کی تعمیل کی، اور طلبہ واساتذہ کے بعض سوالوں کا جواب دینے کے بعد یہ پروگرام اختتام کو پہنچا.

ظہر کی نماز پڑھکر ہم لوگوں نے کھانا کھایا، اس جامعہ سے میرا ربط اس وقت سے ہے جب استاد محترم نے یہ زمیں حاصل کی اور یہاں تعمیرات کا آغاز کیا، اس میں کئی بار میں نے تقریرین کی ہیں، یہ میرے استاد کی عظیم محنت کا ثمر ہے، اب اس کے ساتھ طالبات کا بھی ایک ادارہ چل رہا ہے، اور آپ کا ایک اہم کارنامہ ہے کہ یہاں ایک طبیہ کالج شروع کردیا ہے جس میں طلبہ اور طالبات دونوں تعلیم حاصل کر رہے ہیں:

آکہ وابستہ ہیں اس حسن کی یادین تجھ سے
جس نے اس دل کو پری خانہ بنا رکھا تھا

یوسف الحسینی

برادرم یوسف الحسینی سے وقتا فوقتا ملاقات ہوتی رہی ہے، لیکن آج پہلی مرتبہ ان کے ساتھ اتنا وقت گزارنے کا موقع ملا، میرے ساتھ بہت احترام سے پیش آئے، ان کی شرافت اور کریمانہ اخلاق سے متاثر ہوا، خوش رو، خوش آداب، خوش طبع ہیں،

ذھانت، زندہ دلی، محنت و مستعدی، وبلند آہنگی کے کمالات سے متصف.

گر بر سر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی۵۰

مولانا فیصل بھٹکلی

ہم لوگ تقریبا چار بجے ندوہ واپس ہوئے، اور تہوڑی دیر میں برادر مکرم مولانا فیصل بھٹکلی کے ساتہ فرنگی محل جانا ہے، فیصل صاحب مجہ سے جونیر ہیں، لیکن اپنے تصنیفی و تحقیقی کمالات و امتیازات کی وجہ سے وہ علمی حلقون میں معروف ہیں، ان سے کئی وجہ سے طبیعت مانوس ہے، ایک تو یہ کہ ان کا ذوق تحقیقی ہے، اور ان کی تصنیفات ان کے مقام بحث و تحقیق کی گواہ ہیں، دوسرے ان کو بہی میری طرح اہل علم وحدیث سے اجازتین حاصل کرنے کا شوق ہے، اور تیسری بات یہ کہ وہ اسی گہر میں قیام پزیر ہیں جس میں استاذ محترم مولانا شہباز علیہ الرحمۃ رہتے تھے اور جہاں شب وروز ہماری آمد ورفت رہا کرتی تہی، فیصل صاحب کو اس کم عمری میں کئی علمی ایوارڈز مل چکے ہیں.

مولانا ابو الحسن فرنگی محلی

۵۰ترجمہ

فیصل صاحب کی معیت میں میں اور کچھ بھٹکلی نوجوانون نے فرنگی محل کی مسجد میں مولانا ابو الحسن فرنگی محلی کی امامت میں نماز پڑہی، مولانا ابو الحسن علمی ذوق کے حامل ہیں، بڑے تپاک سے ملے، وہ ندوہ میں اس وقت پڑھنے کیلئے آئے جب میں یہاں سے انگلینڈ منتقل ہوگیا تھا، مولانا نے فرنگی محل کی بعض عمارتوں کا تعارف کرایا، اس کے بعد ہم لوگ جناب متین میاں فرنگی محلی کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا سے میرے لئے پہلے ہی اجازت لی جا چکی ہے، آج ہم لوگوں نے مولانا کی گفتگو سنی، لیکن جب بہی اجازت لینے کی بات آئی مولانا نے فرمایا کہ مجھے خود کسی سے اجازت حاصل نہیں اور نہ ہی میں اس کا اہل ہوں.

مفتی مولانا ابو العرفان محمد نعیم

وہاں سے نا امید ہوکر ہم ایک دوسرے فرنگی محلی عالم مفتی مولانا ابو العرفان محمد نعیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا کو اپنے والد محترم مولانا ابو القاسم محمد عتیق بحر العلوم فرنگی محلی سے اجازت حاصل ہے، مولانا نے دونوں استدعاءات پر اجازت دی، ہم نے مولانا کا شکریہ ادا کیا، اور دعاء کی درخواست کی.

حدیث کی سند میں بر صغیر کے علماء کا رویہ

ہم مغرب سے پہلے ندوہ پہنچ گئے، استاذ محترم جناب مولانا برہان الدین سنبہلی مد ظلہ العالی کی عیادت کی، مولانا سے مجھکو بہت پہلے سے اجازت حاصل ہے، میں نے

درخواست کی کہ ان دونوں استدعاءات پر اجازت دیدیں، مولانا نے فرمایا کہ وہ صرف اسے اجازت دیتے ہیں جس نے ان سے با قاعدہ پڑہا ہو، عام طور سے محدثین اجازت کے بارے میں بہت نرم ہیں، لیکن بر صغیر کے بعض علماء وشیوخ کے یہاں اس سلسلہ میں سختی ہے.

امام بخاری کے منہج پر تقریر

مغرب کی نماز کے بعد سلیمانیہ ہاسٹل میں امام بخاری کے منہج کے موضوع پر میرا محاضرہ تھا، طلبہ ہال میں اور ہال کے باہر بہرے ہوئے تھے، بعض اساتذہ نے بہی شرکت کی، میں نے تمہیدا حدیث شریف کے ارتقاء کی تاریخ بیان کی، اور اس کی وضاحت کی کہ حدیث کی صحت کے سلسلہ میں امام بخاری اور امام مسلم کے شرائط یکسان ہیں، فرق صرف ان شرائط کی تطبیق کا ہے، میں نے ان علماء اور شارحین حدیث سے اختلاف کیا جو یہ سمجھتے ہیں کہ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں امام بخاری اور ان کے شیخ امام علی بن المدینی پر تنقید کی ہے، میں نے اپنی رائے کے دلائل بیان کرنے کے بعد وضاحت کی کہ صحیح بخاری خود شاھد ہے کہ اتصال اور دوسری شرطون میں یہ صحیح مسلم سے مختلف نہیں.

محاضرہ ایک گھنٹہ سے زیادہ جاری رہا، سوالات وجوابات کے وقفہ کے بعد ہم عشاء کی نماز کے لئی نکلے، اور ایکدن میں اتنی کامیابی حاصل ہونّے پر خدا کا شکر ادا کیا، اور یہ

یاد آگیا کہ کس طرح ندوہ کے دوران قیام شب وروز مشغول گزرتے تھے: زہے مراتب خوابے کہ بہ زبیداری ست[۵۱].

---

۵۱ ترجمہ

جعفر بھائی

حدیث حسن خود از دیگران پرس

کہ سعدی در تو حیران است ومدہوش[۵۲]

کئی نسبتوں کے جامع

جعفر بھائی کے اندر کئی نسبتیں جمع ہیں، اور ہر نسبت متقاضی ہے کہ اس کی وجہ سے مجھے ان سے عقیدت و محبت ہو، وہ صحیح النسب سادات حسنی میں سے ہیں، اور تنہا یہ نسبت بہت سی نسبتوں کی جامع ہے، دوسری یہ کہ وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ کے پوتے ہیں، تیسری یہ کہ وہ مخدوم معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے بھتیجہ اور داماد ہیں، اور چوتھی یہ کہ وہ استاذ محترم مولانا محمد واضح رشید ندوی مد ظلہ العالی کے فرزند ارجمند ہیں، پانچوین یہ کہ وہ میرے کلاس فیلو ہیں، چھٹی یہ کہ وہ عربی اور اردو دونوں کے بہترین ادیب ہیں، ساتوین یہ کہ اس عہد میں جبکہ علماء و مصنفین میں افراط وتفریط کا شیوع ہے، وہ راہ اعتدال پر گامزن ہیں، اور سب سے اہم یہ ہے کہ جعفر بھائی نیک انسان ہیں، اور شاید یہ آخری وجہ ہے جس کی وجہ سے میرے دل میں ان کی اتنی قدر

---

۵۲ ترجمہ

و تعظیم ہے.

بڑے بڑے اصحاب علم و فضل کو دیکھا گیا ہے کہ وہ غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، آپس میں لڑائیاں کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت، حسد، کینہ وبغض کے جذبات رکھتے ہیں، ایک دوسرے سے قطع کلامی کرتے ہیں اور دشمنی کرتے ہیں، اور اس پر اس کے خواہشمند کہ لوگ ان کا احترام کریں، سخت حیرت اس پر ہوتی ہے کہ کچھ لوگ اس بد اخلاقی کو جلال کا نام دیتے ہیں، ھائے غلط تسمیہ نے کتنی گھناؤنی برائیون پر پردہ ڈال دیا ہے.

اس کے بر عکس جعفر بھائی کو غصہ ہوتے نہیں دیکھا گیا، اور نہ ہی نفرت وحسد کرتے ہوئے، نہ ان کو کبھی برہم و بیزار دیکھا گیا، ان کو اس طرح کے جذبات سے کبھی مغلوب ہوتے نہیں دیکھا گیا، نہ ان کی زبان سے کبھی کوئی سخت یا رکیک جملہ سنا گیا:

نظر میں وہ گل سما گیا ہے، تمام ھستی پہ چھا گیا ہے
چمن میں ہوں یا قفس میں ہوں میں مجھے اب اس کی خبر نہیں ہے

نفوس بشریہ کے اختلاف وتضاد کے متعلق ابو العتاھیہ کی درج ذیل اشعار کتنے سچے ہیں:

وفرز النفوس كفرز الصخور

ففيها النفيس وفيها الحجر

وبعض الأنام كبعض الشجر

جميل القوام شحيح الثمر

وبعض الوعود كبعض الغيوم

وكم من فواد كفيف البصر

وخير الكلام قليل الحروف

كثير القطوف بليغ الاثر[٥٣]

کیا اچھا ہوتا کہ علماء تدریس و تصنیف اور قیادت کی کسی ذمہ داری کو سنبھالنے سے پہلے کچھ وقت تزکیہ نفس میں گزارتے تا کہ ان سے صحیح طریقہ پر فائدہ اٹھایا جا سکے، اور وہ قائدانہ ذمہ داری کے اھل ہو سکیں، بلکہ اس سے زیادہ اہم بات یہ کہ دل کی گندگی کے ساتھ اللہ تعالی سے قربت ممکن نہیں اور نہ اسلام و ایمان پر استقامت:

إذا قسا القلب لم تنفع موعظة

كالأرض إن أسبخت لم ينفع المطر[٥٤]

---

٥٣ ترجمہ

٥٤ ترجمہ

خاتون منزل میں عشائیہ

آج جعفر بھائی کے گھر پر خاتون منزل میں میرے اور وزیر صاحب کے اعزاز میں ایک عشائیہ ہے، جعفر بھائی نے اس سے پہلے بھی کئی بار خاتون منزل میں ہماری دعوت کی ہے، رائے بریلی میں تو بار بار اس طرح کے مواقع آئے ہیں، بلکہ چند سال پہلے رمضان کے اعتکاف میں میری سحری کا انتظام جعفر بھائی نے اپنے گھر پر رکھا تھا.

ہم لوگ عشاء کی نماز پڑھکر خاتون منزل پہنچے، جعفر بھائی نے بہت زیادہ اھتمام کیا تھا، دستر خوان پر کھانے کی مختلف انواع واقسام کی منتخب اور وافر چیزین تھیں، ہم نے رغبت سے کھانا تناول کیا، اساتذہ کرام، علماء وصالحین کی صحبت اور جعفر بھائی کی محبت نے مزہ بڑھا دیا.

اس عشائیہ میں جو حضرات مدعو تھے وہ سب وہ ہیں جن سے ہمیں محبت وعقیدت ہے، اس میں مخدوم معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم، استاذ محترم مولانا محمد واضح رشید ندوی مد ظلہ العالی، استاذ مکرم مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی مد ظلہ العالی، جناب مولانا سید حمزہ حسنی ندوی ناظر عام دار العلوم ندوۃ العلماء کے علاوہ ہمارے دوستوں اور احباب کی بڑی تعداد تھی، جن میں سے چند کا تعارف پیش ہے:

مولانا سید صہیب حسینی ندوی

استاذ محترم مولانا سید سلمان الحسینی الندوی کے چھوٹے بھائی مولانا سید صہیب حسینی ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، صہیب بھائی مجھ سے ندوہ میں دو تین سال جونیر تھے، ہونہار اور ذہین تھے، جامعۃ الإمام السید احمد الشہید کی ترقی میں بڑا کردار ادا کیا، وہاں سالوں تک انتظامی وتدریسی خدمات انجام دین، اس وقت ندوہ میں استاد ہیں، صلاح وتقوی سے مزین، اور حسن خلق ونیکی میں ممتاز، نرم سخن، شریفانہ آداب وانداز کا لحاظ، اور رکھ رکھاؤ.

بھائی محمد احسان ندوی

برادر مکرم جناب مولانا رضوان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی محمد احسان ندوی، استاذ مدرسہ عرفانیہ لکھنؤ، ندوہ میں ہم سے جونیر تھے، لیکن بعد میں بہت بے تکلفی ہوگئی تہی، ہم لوگ ندوہ میں ایک ساتھ بیڈ مینٹن کھیلتے تھے، جب بہی ندوہ آنا ہوتا ہے ان کے ساتھ مجلس ضرور ہوتی ہے، پچھلے سال احسان بھائی نے ہم لوگوں کو بہت پر تکلف ناشتہ کروایا، نیک ہیں، اور ساتھیوں سے محبت کرتے ہیں، جعفر بھائی کے جگری دوست ہیں.

محمد سعید حسنی

جناب مولانا سید حمزہ حسنی کے صاحبزادہ محمد سعید حسنی، نوجوان عالم اور صالح، رائے بریلی میں اعتکاف کے دوران میں نے انہیں کچھ پڑھایا بھی ہے، مجھ سے تعلق کا اظہار کرتے ہیں، اور مجھے بھی ان سے انسیت ہے، یہاں اچانک ان کو دیکھکر بہت خوشی ہوئی، اللہ تعالی ان کے علم و عمل میں برکت دے۔

کتاب (دعوت فکر ونظر)

جعفر بھائی نے کچھ کتابیں ہدیہ کیں، جن میں میرے لئے سب سے اہم ان کی کتاب (دعوت فکر ونظر) ہے، جو جعفر بھائی کے مختلف فکری، دعوتی اور اصلاحی مضامیں کا مجموعہ ہے، کتاب کے شروع میں مولانا رابع صاحب، مولانا واضح صاحب اور مولانا سعید الرحمن صاحب کے پیش لفظ ہیں۔

مولانا رابع صاحب:

"ان مضامیں کے لکھنے والے عزیزی مولوی جعفر مسعود حسنی ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء کے فاضل اور عربی جریدے الرائد کے رکن ادارت اور تدرسی تجربہ رکھنے کے ساتھ اردو زبان وادب وصحافت کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، اور عالم اسلام کے حالات کا بھی اچھا مطالعہ رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے

مضامیں میں جو طریقہ اور اسلوب اختیار کیا ہے وہ اثر انگیزی رکھتا ہے"[۵۵]

مولانا واضح صاحب:

"ان کے اسلوب نگارش اور مضامین کی دو خصوصیتیں ہیں، ایک لطافت معلومات، اور دوسرے حالات حاضرہ سے ان کا تعلق. مولوی جعفر مسعود حسنی ندوی نے مولانا عبد الماجد دریابادی کو بہت پڑھا ہے اور ان کے اسلوب نگارش سے متاثر ہیں"[۵۶].

مولانا سعید الرحمن صاحب:

"ان مقالات میں تاریخ اسلام کے واقعات، مغربی تمدن کی ناکامی، اور بلاد مغرب کے مفکرین کی نا سمجھی اور اسلامی زندگی کی ضرورت، اور اس کا پیغام، مغرب زدہ اشخاص کی بے کیف زندگی، یورپ وامریکہ میں اخلاقی انارکی، اوردم واپسین میں بتلا ان کا نظام حیات، یہ اور اس جیسے زندہ وتابندہ عناوین کے مشتملات پر یہ کتاب ہر طبقہ کے لئے انتھائی مؤثر اور چشم کشا ہے"[۵۷]

۵۵دعوت فکر ونظر ص ۱۱

۵۶دعوت فکر ونظر ص ۱۳

۵۷دعوت فکر ونظر ص ۱۶

اس کتاب کو میں نے جب تک ختم نہیں کرلیا سکون نہیں ملا، یہ مضامیں مؤثر ہیں، اور ہماری انفرادی واجتماعی اصلاح کے لئی بہت مفید، اور انداز اتنا پیارہ ہے کہ پڑھتے جائیے اور ھل من مزید کی صدا بلند ہوتی رہے، اس کتاب کے متفرق اقتباسات پیش خدمت ہیں:

"کتاب اگر اپنے قاری کو کچھ دیتی ہے تو یہ کتاب ہی ہے جو اپنے قاری سے بہت کچھ لیتی بھی ہے"[۵۸]

"بہت سے لوگ یہ سمجھتی ہیں کہ خوشی کا تعلق مال کی کثرت سے ہے، بلند وبالا عمارتوں سے ہے، دولت کی فراوانی سے ہے ..... خوشی یا خوش بختی کا تعلق باہر کی دنیا سے نہیں، انسان کی اندر کی دنیا سے ہے"[۵۹].

میڈیا: کتنا سچ، کتنا جھوٹ کے عنوان سے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"خبر کہان سے آرہی ہے؟ کس نے دی ہے؟ کیسے پہونچی ہے؟ کن واسطون سے پہونچی ہے؟ اور کیون پہونچی ہے؟ یہ سب سمجھے بغیر بلکہ سمجھنے کی کوشش کے بغیر رائے قائم کرلینا نہ صرف یہ کہ جہالت اور نادانی ہے بلکہ ایک گناہ ہے جو ہم سب سے سرزد ہو رہا ہے، غیبت کا دروازہ اسی سے کھلتا ہے، بدگمانی

۵۸دعوت فکر ونظر ص ۵

۵۹دعوت فکر ونظر ص ۳۶

کو راہ اسی سے ملتی ہے، غلط فیصلے کرنے کا سپ یہی چیز بنتی ہے"[60] ص ۴۷

"اگر آپ سے کوئی یہ سوال کرے کہ کیا خیال ہے آپ کا ان حضرات کے بارے میں جنہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کرکٹ گراونڈ کا رخ نہیں کیا، جنہوں نے ھاتھ میں کبھی کرکٹ کا بلا نہیں پکڑا، جنہوں نے کرکٹ کی کی گیند چھونےّ کی کبھی کوشش نہیں کی، جمہیں پچ میں ہونےّ والی تبدیلیون کا کوئ علم نہیں ... لیکن جہالت کے اس سمندر میں غوطہ لگانے کے با وجود ایک چھوٹے سے چائے خانہ میں، لکڑی کی ایک ٹوٹی ہوئ بنچ پر، ہونّٹون میں ادھ جلی بیڑی دبائے، تبصرہ کر رہے ہوں، لارڈس کے میدان میں کھیلے جا رہے کرکٹ ورلڈ کپ کے فائنل میچ پر، اور نشانہ بنا رہے ہوں ٹیم کے کپتان کو اپنی جارحانہ تنقیدون کا تو یقینا آپ اپنی نرم مزاجی کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہوں گی:

بے وقوفوں کی کمی نہیں غالب

ایک ڈھونڈّو ھزار ملتے ہیں[61]

"ہر مسئلہ کو سیاسی رنگ دینا، فورا ہی سڑکون پر لے آنا، زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگانا، مطالبہ کا وہ طریقہ اپنانا جو سیاسی پارٹیان اپنایا کرتی ہیں،

.۶۰ دعوت فکر ونظر ص ۴۷

۶۱ دعوت فکر ونظر ص ۸۵

صورت حال کو مزید خراب کردیتا ہے، جمہوری ملک میں جمہور (عوام) کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اگر ہم سڑکون پر آئین گے اور بھیڑ اکٹھا کر کے اپنی طاقت کا مظاہرہ کریں گے تو دوسرے بھی یہی راستہ اپنائین گی، اور یہ راستہ اقلیت کے لئے نقصان دہ اور اکثریت کے لئے سود مند ثابت ہوگا، ماضی میں پیش آئے واقعات اس کے شاھد ہیں"[٦٢].

جعفر بھائی کی تحریر میں مستقبل سے مایوسی کا کوئی پہلو نہیں ہے، نرم مزاجی، اور رواداری نی جعفر بھائی کی تحریر کو "ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے" کا مصداق بنادیا ہے، مولانا واضح صاحب بیٹھے ہوں، یا چل رہے ہوں، یا لیٹے ہوں، ہمیں ہمیشہ محسوس ہوتا کہ سوچ رہے ہیں، لگتا ہے کہ یہی صفت جعفر بھائی میں بھی منتقل ہوگئی ہے، معمولی باتوں سے زندگی کے لئے حکیمانہ استنتاج دلیل ہے کہ جعفر بھائی سوچتے بہت ہیں، اور کوئی نافع و مؤثر چیز بغیر تفکر و حضوری قلب کے ظہور پزیر نہیں ہو سکتی.

من لي بمثل سيرك المدلل

تمشي الهوينا وتجيء في الأول

٦٢دعوت فکر و نظر ص ١٩٥

رائے بریلی

مادر علمی میں تین دن بہت مشغول گزرے، اساتذہ کی صحبت اور دوستوں اور ساتھیوں کی ملاقات نے اس پورے سفر کو تکان کے باوجود مسحور کن بنادیا:

اے قصہ بہشت زکویت حکایتے
شرح جمال حور زرویت روایتے
انفاس عیسی از لب لعلت لطیفہ اے
آب خضر زنوش لبانت کنایتے[۶۳]

خاص طور سے مخدوم معظم مولانا رابع صاحب اور استاد محترم مولانا واضح صاحب کی مجلسوں نے ماضی میں لوٹادیا، اس دوران بارہا ایسا ہوا کہ ان کی چارپائیوں پر ان کے قریب، اور مجلسوں میں آمنے سامنے بیٹھنا نصیب ہوا، ایسا لگا کہ کوئی تخت شاہی مل گیا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑی دولت:

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری
نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بے کلاہی کو

۶۳ترجمہ

یہ بے کلاہ ہے سرمایہ کلہ داری

کچھ دوستوں اور ساتھیوں کا تذکرہ پہلے آچکا ہے، اور بہت سے ایسے ہیں جنکے نام یہاں نہیں آئے، ان میں سے ایک مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے برادر مکرم مولانا سہیل احمد اعظمی ندوی ہیں، دوسرے مولانا مطیع الرحمن صاحب ندوی پرنسپل مدرسہ عرفانیہ، دونوں یاران غار، رفیقان غمگسار اور دوستان با صفا وسدا بہار میں سے ہیں، اور دونوں کے ساتھ بے تکلفی کی بے شمار سرگزشتیں ہیں.

مولانا شیر افگن

اس سفر میں برادر مکرم مولانا شیر افگن سے بھی ملاقات ہوئی، ندوہ میں مجھ سے جونیر تھے، اور اپنے ہم عمرون میں علم اور صلاحیت میں نمایاں، فراغت کے بعد شیر افگن صاحب مدرسہ عرفانیہ سے وابستہ ہوگئے، اور "یکدر گیر و محکم گیر"[٦٤] کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اب تک مدرسہ عرفانیہ سے مربوط ہیں، اور وہاں کے سینیر استاد ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، یہاں ان کی صرف ایک کتاب کا تعارف پیش ہے، اور وہ ہے (فیض النحو)، جو اردو زبان میں نحو کی بہترین کتابوں میں سے ہے، برادر معظم مولانا وقار عظیم ندوی صاحب اس کتاب کی افادیت کے قائل ہیں اور انہوں نے

٦٤ترجمہ

اسے عربی زبان پڑھانے کے لئے استعمال بھی کیا ہے، اس کتاب پر مولانا رابع صاحب کا مقدمہ ہے، جس میں مولانا نے تحریر فرمایا ہے:

"میں نے ان کی یہ کتاب دیکھی جس میں عام فہم اور آسان زبان میں انہوں نے نحو کے مسائل کو پیش کیا ہے اور خاصا استیعاب کیا ہے"،

مولانا شہباز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے متعلق اپنے تاثرات میں تحریر فرمایا ہے:

"یہ ان کی پہلی تصنیفی کوشش ہے، لیکن الحمد للہ مبتدیانہ خامیوں کے بجائے ہر جگہ پختہ انداز ہے، یہ کتاب اگرچہ ابتدائی درجات کے لئے تیار کی گئی ہے، لیکن منتہی طلبہ کو بھی عند الضرورت اس سے بہت مدد ملے گی، بلکہ نحو پڑھانے والے نئے اساتذہ بھی اس سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں، یون تو پوری کتاب سے میں نے استفادہ کیا لیکن بالخصوص عدد کی بحث سے خود میری بہت سی الجھنیں دور ہوئیں، اب ان شاء اللہ مدارس کو ابتدائی درجات کے لئے کسی اچھی درسی کتاب کے نہ ہونّے کی شکایت نہیں رہے گی".

جن ساتھیوں کے نام نہیں آئے وہ ان سے پیچھے نہیں جن کے نام مذکور ہوئے: یان کوئی کسی سے کم نہیں ہے. سفرنامہ میں اور خاص طور سے جبکہ عجلت میں لکھا گیا ہو

ترجیح بلا مرجح[٦٥] کا پایا جانا عین ممکن ہے.

آج صبح ہمارا ارادہ وطن واپس ہونّے کا تھا، لیکن کل ہی مولانا واضح صاحب نے فرمادیا تھا کہ مدرسہ فلاح المسلمین والوں کی خواہش ہے کہ تم راستہ میں وہاں تھوڑی دیر کے لئے رکجاؤ، اسی طرح بلال کا مطالبہ ہے کہ مرکز ابو الحسن الندوی کی بھی زیارت ہوجائے، مولانا کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ہم لوگوں نے رائے بریلی جانے کا فیصلہ کرلیا.

صالحین کی صحبت

ندوہ کے قیام کے زمانہ میں جب بھی یکسانیت کو بدلنے، زندگی کے رخ ورفتار پر ناقدانہ نگاہ ڈالنے اور دلون کو نرم کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو ہم میں سے بہت سے طلبہ واساتذہ کبھی رائے بریلی کا سفر کرتے، کبھی مولانا محمد احمد پرتابگڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں الہ آباد حاضر ہوتے، اور کبھی مولانا ابرار الحق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے مستفیض ہونّے کے لئے ہردوئی کا قصد کرتے، اور ہم یہ سوچتے کہ (ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد)[٦٦]. ندوہ کی نئی نسل اور سفرنامہ کے قارئین کے سامنے ان

٦٥ترجمہ

٦٦ترجمہ

تفصیلات کے ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر انہیں یاد نہ دلائین تو: بھول جائین گے کہ تھے کن ڈالیوں کے ہم ثمر.

صالحین کی زیارتوں کے فوائد اور ان کی صحبتوں کی برکات کے دو اہم وجوہ ہیں، ایک تو انتقال مکانی وہجرت، اور ہجرت کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ انسان اپنی مشغولیات کو پس پشت ڈالکر اور ان سے باہر نکلکر خدا کی پناہ میں آجائے، اسی لئے مسجد جاکر نماز ادا کرنے میں جو کیفیت ہوتی ہے وہ گھر کی نماز میں نہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے مجاہدے کرکے خواہش نفس کی مقاومت کی ہے، اور خدا کی یاد کو اپنے اندر جا گزین کیا ہے، ان کے اقوال وافعال واحوال میں اللہ تعالی اثرات ڈال دیتے ہیں، اوریہی سبب ہے کہ کتاب وسنت وفقہ کے بڑے بڑے امام بہی صالحین کی زیارت کرتے تھے، حضرت علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضي الله عنه کے آزاد کردہ غلام اسلم کی صحبت اختیار کرتے، لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ قریش کو چھوڑ کر بنی عدی کے ایک غلام کی ہمنشینی کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ انسان وہیں بیٹھتا ہے جہاں اسے فائدہ حاصل ہو، ہندوستاں کے آخری دور میں علماء کا گنگوہ اور تھانہ بہون بار بار حاضری دینا اسی روایت کا تسلسل ہے:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا مرد کہستانی

سفرِ ہند

دنیا میں محاسب ہے تہذیب فسوں گر کا
ہے اس کی فقیری میں سرمایہ سلطانی
یہ حسن و لطافت کیوں؟ وہ قوت و شوکت کیوں؟
بلبل چمنستانی، شہباز بیابانی
اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیابان میں فاروقی و سلمانی
صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
تلوار ہے تیزی میں صہبائے مسلمانی

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق نے رائے بریلی کا سفر ہمارے لئے زیادہ آسان بنادیا تھا، اور فکر ومزاج کی ہم آہنگی کی وجہ سے وہاں انسیت بہی محسوس ہوتی، میں نے بارہا اسی صلاح قلب کے حصول کی غرض سے رائے بریلی کا قصد کیا ہے، اور رمضان کے بہت سے دن وہاں گزارے ہیں، غرض کی تکمیل ہوئی کہ نہیں؟ اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے، لیکن یہ سوچکر ہلکا سا اطمینّان ہوجاتا ہے کہ کوشش تو کی.

سفرِ رائے بریلی

رائے بریلی کے سفر کے لئے مدرسہ فلاح المسلمین والوں نے ہمارے لئے گاڑی کا

انتظام کردیا تھا جس سے بہت سہولت ہوئی، فجر کی نماز کے بعد مخدوم معظم سے رخصت کا مصافحہ کیا، حضرت نے ناشتہ اور چائے کا اہتمام کرایا، فارغ ہوکر استاذ محترم مولانا واضح صاحب سے بہی مصافحہ کیا:

أما مصافحة الوداع فإنها

ثقلت فما اسطاعت تنوء بها يدي

اور ہم لوگ چھ بجے ندوہ سے نکلے، راستہ میں اپنے چچا زاد بھائی جمیل ندوی کے گھر چائے پی، اور تقریبا سات بجے لکھنؤ سے روانہ ہوئے، اور نو بجے تکیہ رائی بریلی پہنچے، شہر سے تکیہ کا راستہ طے کرتے ہوئے مجھے وہ وقت یاد آگیا جب انہی راستوں سے ہم رکشون پر اور رکشے نہ ملتے تو پیدل چلتے، اور اس میں ایک قسم کا سرور حاصل ہوتا:

راہ ہے پست وبلند آہستہ چلئے گا کلیم

ایک جانب دشت ایمن ایک جانب طور ہے

جعفر بھائی نے اپنے مکان پر ناشتہ کا انتظام کروایا تھا، ان کے دونوں صاحبزادوں عزیزان گرامی خلیل حسنی وامین حسنی نے محبت واکرام کے ساتھ ہماری خاطر داری کی، اور بہت سعادتمندی کا مظاہرہ کیا، خلیل وامین کے ادب، تواضع اور خلوص کے باوجود ان سے خدمت لینا سخت بار معلوم ہوتا ہے، میرے ذہن میں یہ مستحضر نہیں رہتا کہ دونوں میرے دوست کے صاحبزادے ہیں اور میرے شاگرد، بلکہ ایک

دوسری نسبت ہے جو زیادہ طاقتور ہے اور جس کا مجھ پر غلبہ رہتا ہے، اور وہ یہ کہ دونوں میرے دو محبوب ترین استادون اور بزرگوں کے نواسے اورپوتے ہیں، اور اس نسبت کی وجہ سے یہ تقاضا شدت اختیار کرجاتا ہے کہ میں ان کی خدمت کرون، نہ کہ ان سے خدمت لون، اللہ تعالی گستاخی معاف فرمائے اور بززرگون کے احترام کی توفیق دے:

منزل فقر وفنا جائے ادب ہے غافل
بادشہ تخت سے یاں اپنے اتر لیتا ہے

مسجدِ تکیہ کلاں

ناشتہ سے فارغ ہوکر ہم نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑہی، اس مسجد میں رمضان کے کتنے دن اور کتنی راتین گزاری ہیں، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ، مخدوم معظم مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم، استاد محترم مولانا محمد واضح رشید ندوی مد ظلہ، استاد محترم مولانا شہباز رحمۃ اللہ علیہ، اور برادر مکرم جناب مولانا سید عبد اللہ حسنی رحمۃ اللہ کی صحبتوں اور مجلسوں کی یادین اس مسجد سے وابستہ ہیں، یہاں نیکدوستوں اور طلبہ کی ہم نشینی کی ہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ اس مسجد نے تاریخ کے کتنے ادوار وتقلبات دیکھے ہیں، یہاں متقین وصالحین کی کتنی بڑی تعداد نے نمازین پڑہی ہیں، تلاوت وذکر و تسبیح میں مشغول رہے ہیں، اعتکاف کیا ہے، اور تعلیم ووعظ سے

اسے آباد رکھا ہے.

مقبرہ خاندانِ علم اللہی

اس کے بعد اس سے متصل چھوٹے سے مقبرہ کی زیارت کی، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ اور دوسرے مدفونین کو سلام کیا اور دعائیں کیں، داعی اسلام مولانا عبد اللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر بہی فاتحہ پڑہی، یہاں اکثر مدفونین اللہ کے منتخب بندے ہیں، مگر چونکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا نقش دل پر اسی طرح ثبت ہے، اور آپ کے کارنامے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، آپ کی قبر کی زیارت کو ایک گونہ مشابہت ہے زندگی میں آپ کی زیارت سے:

نظر مرے دل کی پڑی درد کس پر
جدہر دیکھتا ہوں وہی رو برو ہے

یہ مقام ان مقامات میں سے ہے جہاں کا زائر حال سے بیخبر کسی اور جہاں کا خواب دیکھنے لگتا ہے: انہیں کو دنیا کی سب خبر ہے جنہیں کچھ اپنی خبر نہیں ہے:

خاکم من زندہ بہ تاثیر ہوائے لب تست
سازگاری نکند آب وہوائے دگرم[٦٧]

٦٧ترجمہ

مدرسہ کی اہمیت پر تقریر

ہم لوگ دس بجے کے قریب مدرسہ ضیاء العلوم کے ہال میں پہنچے، مفتی راشد حسین صاحب اور مدرسہ کے دیگر اساتذہ سے ملاقات ہوئی، مفتی راشد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ خطاب کے دوران اپنے کاموں کا تعارف کراؤں اور طلبہ کو کچھ نصیحت کروں، میں نے عرض کیا کہ میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں، لیکن ان کا اصرار جاری رہا، میں نے محسوس کیا کہ اس وقت میرے جذبات اور وہاں موجود لوگوں کی توقعات کے درمیاں ایک خلیج حائل ہے، وہ اسے صرف ایک مدرسہ سمجھتے ہیں، اسے ندوہ کی بہت سی شاخوں میں سے ایک شاخ سمجھتے ہیں، ان کی توقع وہی ہے جو کسی مدرسہ کے ذمہ داروں کی ہو سکتی ہے، لیکن میرے اوپر اس پس منظر کا غلبہ تھا جس کا یہ مدرسہ ایک حصہ تھا، میں اس مدرسہ کو اس زمیں کی قربانیون اور اس کے ساکنین کے کارنامون کی طویل تاریخ کا ایک نقطہ تصور کر رہا تھا، مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ یہ جگہ وہ نہیں ہے جو ان عمارتوں سے ظاہر ہورہی ہے، میں کسی اور تاریخ کو اپنے ذہن میں گردان کر رہا تھا، یعنی میں اور مفتی راشد صاحب ایک ہی کتاب کے دو الگ الگ صفحے پڑھ رہے تھے.

اسٹیج پر آنے سے پہلے ایک بار پھر مفتی راشد صاحب نے اپنی اسی خواہش کا اعادہ کیا، لیکن میں جذبات واحساسات سے اس قدر مغلوب تھا کہ باوجود چاہنے کے بھی ان

کے حکم کی تعمیل نہ کرسکا، میں نے قرآن کریم کی دو آیتوں "وإذ ابتلى ابرا◉يم ربه بكلمات فأتمهن قال إني جاعلك للناس إماما◉ قال: ومن ذريتي◉ قال: لا ينال عهدى الظالمين"، "وجعلن◉م أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون"، کی روشنی میں عرض کیا: عزیز طلبہ! اس مدرسہ میں اگر آپ کو وہ آسائشیں نہیں مل رہی ہیں جو آپ کو گھروں پر ملتی ہیں، یا کسی دنیاوی اسکول وکالج میں مل سکتی ہیں، تو بد دل نہ ہوں، کیونکہ آپ جس بار امانت کو اٹھانے جا رہے ہیں وہ قربانیوں پر قائم ہے، بغیر قربانی اور صبر کے امامت وقیادت کی بہرہ وری ممکن نہیں، یہ اللہ تعالی کا ازلی قانون ہے، یہی انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کی سیرت ہے، مکہ مکرمہ کی تاریخ ابرھیم واسماعیل علیہما السلام کی قربانیوں سے وابستہ ہے، اسی طرح تکیہ کی یہ سرزمیں شاہ علم اللہ، اور ان کی اولاد کی قربانیوں سے مربوط ہے، یہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا مولد ومنشا ہے، یہ صالح مردوں اور صالح عورتوں کا مسکن ہے، لوگ ہندوستاں تاج محل دیکھنے آتے ہیں، آسمان وزمیں اور ان کے درمیاں جو حیرت انگیز مخلوقات ہیں ان کا رب تاج محل سے متاثر نہیں ہوسکتا، کوئی انسانی تخلیق وتعمیر ایسی نہیں جو خالق کائنات ورب العالمیں کو متاثر ومرعوب کرسکے، تمام عقلی وفکری ترقیوں کا عروج یہ ہے کہ انسان خلق کے سارے مظاہر کو دیکھکر سبحان اللہ والحمد للہ کہ سکے، ایک سبحان اللہ ملک سلیمانی سے بڑھکر ہے، خاقانی نے کتنی سچی بات کہی ہے:

پس از سی سال این معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی[۶۸]

شیراز کے مرد فرزانہ نے کتنی عارفانہ بات کہی ہے:

کہ برد بہ نزد شاھان زمن گدا پیامے
کہ بہ کوئے مے فروشان دو ھزار جم بہ جامے[۶۹]

اس سرزمیں کا ذرہ ذرہ تاج محل سے بہتر ہے، یہاں وہ خوبان مدفون ہیں جن کی ہر ہر ادا پر رہروان طریقت جان نثار کرتے تھے، اور جن کے اشارون پر قوموں کی تقدیرین اور زمانہ کے حالات کی تعبیرین بدل جایا کرتی تہیں:

تجھ کو نہیں ہے دیدہ بینا وگرنہ یان
یوسف چھپا ہے ان کے ہر پیرھن کے بیچ

طلبہ عزیز آپ یہاں کی تاریخ سے سبق سیکھیں، اپنے مقصد کو پہچانین، صبر کی خو ڈالین، آپ یہاں جو کچھ حاصل کر رہے ہیں اس کی قدر وقیمت سمجھیں، اور جو کچھ دوسرون کے پاس ہے اس سے چشم پوشی کریں، اور دنیا کی سطح سے بلند ہوں، اقوام

---

۶۸ ترجمہ

۶۹ ترجمہ

عالم آپ کو امام بنانے کی منتظر ہیں:

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ ئی
نرخ بالا کن کہ ارزانی ھنوز[۷۰]

یہ نیلگون فضا جسے کہتے ہیں آسمان
ہمت ہو پر کشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسمان
زیر پر آگیا تو یہی آسمان زمیں

علمی تحقیق پر تقریر

اس کے بعد مرکز ابو الحسن الندوی میں میں نے اپنے بعض کاموں خاص طور سے شرح صحیح مسلم کے پروجکٹ کا ایک تعارف پیش کیا، میں نے مرکز میں تربیت پانے والے محققین کو توجہ دلائی کہ تحقیق کا کام تھکا دینے والا ہے، اس میں سستی وکاہلی، اور ہیرا پھیری سخت نقصان دہ ہے، جس موضوع پر تحقیق کریں اس کے تمام بنیادی مراجع کا مطالعہ کریں، اس کے بعد درجہ دوم کے مراجع سے استفادہ کریں، آج

۷۰ترجمہ

ہمارے یہاں تحقیق اپنے زوال کی انتھا کو پہنچ گئی ہے، بہت سے مصنفین بنیادی مراجع کو ھاتھ ہی نہیں لگاتے، دوسرے اور تیسرے درجوں کے مراجع پر اکتفا کرتے ہیں، اور فتوی نویسون کا حال اس سے بہی برا ہے، آج کے بہت سے نام نہاد وخام مفتی فتاوی رحیمیہ، فتاوی محمودیہ اور فتاوی کی تازہ ترین اردو میں لکہی گئی کتابوں سے نقل کرکے فتوے دے رہے ہیں، یہ صورت حال سخت افسوس ناک، تکلیف دہ اور الم انگیز ہے.

ایک مدرسہ نسواں

ہم لوگ ساڑہے گیارہ بجے کے بعد یہاں سے نکلے، وزیر صاحب کے بہائی مولانا ضمیر صاحب اعظمی رائے بریلی شہر میں ایک مدرسہ نسواں میں پڑہاتے ہیں، ان کی بچیان بہی وہاں زیر تعلیم ہیں، وزیر صاحب ان سے ملاقات کرنا چاہتے تھے، چنانچہ تہوڑی دیر کے لئے ہم وہاں رکے، تاخیر ہورہی تہی، فلاح المسلمین کے ذمہ داروں کا بار بار فون آرہا تھا کہ ہم کب پہنچ رہے ہیں،

مدرسہ فلاح المسلمین

بالآخر ہم لوگ تقریبا ساڑہے بارہ بجے مدرسہ فلاح المسلمین پہنچے، میں اور وزیر صاحب ایک مرتبہ یہاں مولانا واضح صاحب کے ساتھ آچکے ہیں، مولانا نے بذات خود ہمیں ساتھ لیکر اس مدرسہ کے ایک ایک شعبہ کا تعارف کرایا تھا.

دینی علوم کی قدر کریں

مولانا مشتاق صاحب ندوی، مولانا ابرار صاحب اور دیگر اساتذہ وطلبہ نے ہمارا استقبال کیا، میں نے یہاں ایک تقریر کی کہ طلبہ اپنے اوقات کو قیمتی بنائیں، اور جن علوم کو حاصل کر رہے ہیں ان کی قدر سمجھیں، انہیں دینار ودرہم اور دنیا کی زائل ہونّے والی اشیاء کی ترازو میں نہ تولیں، اور آرام اور زیادہ کھانے پینے اور زیادہ سونے سے پرہیز کریں:

خواب در عہد تو در چشم من آید ہیہات
عاشقی کار سرے نیست کہ بر بالین است[۷۱]

سلیمانیہ ہاسٹل کی یادیں

یہاں ہم نے ظہر وعصر کی نماز ادا کی، اور یہیں دوپہر کا کھانا کھایا، مولانا مشتاق صاحب نے یاد دلایا کہ وہ سلیمانیہ ہاسٹل میں میرے کمرہ کے ساتھی رہ چکے ہیں، مجھے اس لئے یاد نہیں تھا کہ سلیمانیہ کے نگران مشفق معظم جناب مولانا عبد العزیز صاحب بھٹکلی مدظلہ ہر دو چار ھفتے میں ہمارے کمرے تبدیل کردیتے، اور اس سے پہلے کہ ہم ایک دوسرے کو پہچانیں نئے چہرے ہمارے پڑوسی ہوتے، اس طرح ایک سال

---

۷۱ ترجمہ

کے اندر سلیمانیہ میں ہمارے کمرے کے ساتھیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ اب نہ ان کے نام یاد ہیں اور نہ چہرے، مولانا اس وقت نوجوان تھے، اور طلبہ پر ان کا بڑا رعب تھا:

انگلیاں دور سے اٹھتی تھیں کہ وہ آتے ہیں.

ہم لوگ یہاں سے تقریبا ساڑھے تین بجے نکلے، گاڑی ہمیں سلطانپور تک لے گئی، وہاں سے بس پر سوار ہوئے، اور شاہ گنج مغرب کے وقت پہنچے، وزیر صاحب سے رخصت ہوئے، کیونکہ وہ اسی بس سے اعظمگرھ جائیں گے، وزیر کی وجہ سے سفر دلچسپ رہا اور ہم نے راستہ میں اپنی بہت سی پرانی یادیں تازہ کین، اور ایکدوسرے کی موجودہ زندگی کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کیا، وزیر صاحب سے کل ان شاء اللہ دو بارہ مدرسۃ الإصلاح میں ملاقات ہوگی.

مدرسۃ الاصلاح

آج مدرسۃ الاِصلاح سرائے میر میں میری تقریر ہے، یہ ہمارے علاقہ کا سب سے قدیم اور کامیاب مدرسہ ہی نہیں، بلکہ پورے بر صغیر کے مشہور ونمایاں مدارس میں اس کا شمار ہے، اور بعض وجوہ سے بہت سے مدرسوں اور تعلیمی اداروں سے ممتاز.

علامہ شبلی نعمانی کے نظریہ تعلیم

مدرسۃ الاِصلاح علامہ شبلی نعمانی کے نظریہ تعلیم کی عملی تطبیق ہے، ہندوستاں کا قدیم نصاب تعلیم عہد جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام ہو رہا تھا، اس سے جو علماء تیار ہو رہے تھے نہ وہ اپنے زمانہ کے مسائل سے اچھی طرح واقف تھے اور نہ ان کو صحیح طریقہ سے حل کرنے پر قادر، نتیجتًا علماء اور جدید تعلیم یافتہ وعوام کے درمیاں دوری بڑھتی جارہی تہی، علامہ شبلی نے اس صورت حال کی اصلاح کی کوشش کی، اور ایک ایسے نصاب کی تجویز پیش کی جو عربی زبان اور اسلام کے اصلی علوم میں پختگی کے ساتھ عصر حاضر کے علوم وفنون کی اس قدر تعلیم پر مشتمل ہو جس سے علماء اپنے زمانہ کو سمجھ سکیں، اور ساتھ ہی انگریزی زبان میں اتنی قدرت پیدا ہو کہ علماء مغربی علوم وفنون کا براہ راست مطالعہ سکیں، مغرب سے آئے سوالون کا صحیح جواب دے سکیں، اور جدید نسل کے لئے انگریزی زبان میں اسلام کے مختلف

اہم موضوعات پر مستند لٹریچر تیار کر سکین.

علامہ شبلی کی اصلاح نصاب کی کوشش کا دوسرا حصہ یہ تھا کہ تعلیم میں فقہی وعقائدی مسالک کا تعصب اس قدر زیادہ ہے کہ امت میں تفریق و تقسیم بڑھتی جا رہی ہے، اس کا رخ جزئیات وفروع پر توانائی ضائع کرنے سے ھٹا کر دین کے اصول وکلیات میں رسوخ پیدا کرنے کی طرف موڑ دیا جائے، اور مسلکون کی طرف انتساب پر تفاخر کے بجائے اسلام کی طرف انتساب کیا جائے، اور امت کی وحدت باقی رکھنے کے لئے پوری جد وجہد کی جائے، اور ہر وہ چیز جو اس اتحاد کو نقصان پہنچائے اس کا مقابلہ کیا جائے.

مولانا فراہی کا نظریہ

اسی طرح مدرسۃ الإصلاح علوم وفنون کے متعلق مولانا فراہی کی محققانہ ومجتہدانہ فکر ورویہ کی عملی ترجمانی کا نام ہے، قدیم نصاب تعلیم بجائے علوم وفنون کی تحصیل کے متاخرین کی شروح یا روح سے خالی متون کا مرکب بنتا چلا گیا، ان شروح پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ ان شروح کے حواشی، اور حواشی بر حواشی کو داخل نصاب کیا گیا، طلبہ کے درمیاں اور علوم وفنون کے درمیاں صرف کتابیں ہی نہیں، بلکہ ان کی شرحین اور شرحون کے حواشی حائل ہوتے گئے، علوم وفنون کا حقیقی مذاق ماند پڑتا گیا، اور تحقیق واجتھاد کا رجحان سرد ہوتا گیا، اور تقلید جامد نے رہی سہی کسر ختم کردی، بقول

مولانا روم:

خلق را تقلید شان برباد داد

اے دو صد لعنت برین تقلید باد[۷۲]

قدیم طرز تعلیم کی خرابیاں

نحو میں ھدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی وغیرہ پڑھائی جا رہی تہیں، بجائے نحو کا علم حاصل ہونّے کے متن اور شرح کی کٹ حجتیون میں وقت ضائع جارہا تھا، عربی زبان کے جمال وحسن کی قدر کے بجائے ان کتابوں کی عبارتین اس خوبصورت زبان کو معما بناکر پیش کر رہی تہیں.

طرز استدلال یونان کی منطق میں محدود کردیا گیا تھا، اوریونانی فلسفہ کو حکمت انسانی کی معراج تصور کیا جا رہا تھا، اور ظلم یہ تھا کہ اس باطل طرز استدلال اور ناپاک حکمت کو کتاب الہی اور انبیاء کے علوم کے جانچنے کا معیار تصور کیا جانے لگا.

ایمان واسلام کی حقیقت کو سمجھنی یا سمجھانّے، اور خدا سے قربت حاصل کرنے کے بجائے عقیدہ وکلام کے نام سے اس کی ذات وصفات کو اوھام وظنون سے پر بحثون اور گستاخانہ گفتگوّن کا موضوع بنادیا گیا تھا، ما بعد الطبیعیات امور میں یونانی کافرانہ

۷۲ترجمہ

خرافات اور پیغمبرون کی پاکیزہ تعلیمات کی درمیاں تطبیق کی کوشش کی جارہی تہی.
ائمہ فقہ ابو حنیفہ، مالک، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، شافعی، ابو ثور، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ کے طریقہ اجتھاد و تحقیق سے چشم پوشی کرکے متاخرین کی ان کتابوں کو منتھائے علم یقین کر لیا گیا تھا جنھوں نے رایوں اور مسلکوں کو دین کا درجہ دے دیا تھا، اپنی رائے کو اس طرح ثابت کرتے جیسے کسی وحی شدہ آسمانی حق کو ثابت کر رہے ہیں، اور دوسرون کی رایون کو باطل ثابت کرنے میں صرف وقت ہی ضائع نہ کرتے بلکہ غیر علمی اور غیر منصفانہ طریقہ کار اپناتے، اور امت کو ان رایون کے مقلدین وغیر مقلدین میں تقسیم کردیا تھا، اور تعصب کی وہ دیوار کھڑی کردی گئی جس نے نفرتون اور کدورتون سے ماحول کو بری طرح خراب کیا.
حدیث کو فقہ کے تابع بنا دیا گیا تھا، اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کو مجروح کیا گیا، آپ کی وہ تعلیمات جن کا تعلق اصول دین سے ہے ان کو نظر انداز کیا گیا، اور صرف ان حدیثون کی تشریح پر وقت صرف کیا گیا جن سے کسی خاص مسلک کے کسی قول کی تائید ہوتی ہے یا مخالفت، اگر کسی ضعیف حدیث سے کسی رائے کی تائید ہوتی تو اسے صحیح ثابت کرنے پر، اور اگر کوئی صحیح حدیث کسی رائے کے مخالف ہو تو اس حدیث کو مطعون کرنے کو محدثانہ شان سمجھا گیا، کبھی کبھی ایک حدیث کے کسی حصہ سے اگر مسلک کی تائید ہوتی تو اسے اخذ کیا جاتا اور باقی حصوں کو رد کردیا جاتا،

اور حدیثون کو صرف شارحین اور اھل مسلک فقہاء کی آراء کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش جاتی.

اس قدیم نصاب میں سب سے زیادہ بے اعتنائی قرآن کریم سے برتی گئی تہی، اور شاید یہی بے اعتنائی سارے مشکلات کی جڑ تہی، .بیضاوی کے ایک مختصر حصہ اور جلالین کو نصاب میں داخل کیا گیا، اور اسی کا دورہ کرنے پر اکتفا کیا گیا، خود قرآن کریم کو سمجھنے یا براہ راست پڑھنے پر کوئی توجہ نہیں کی گئی، اور قرآن میں تدبر جو اللہ تعالی کا فرمان ہے اس پر عمل کرنا اس نصاب کا کبہی حصہ نہیں رہا.

مولانا فراہی کی تعلیم پر مجتہدانہ و محققانہ نظر

مولانا فراہی نے اس کج فہمی اور بد ذوقی کے شکار نصاب پر مجتہدانہ و محققانہ نگاہ ڈالی، اور اس کی اصلاح کی سمت میں انقلاب آفرین پیش قدمی کی:

تحقیق معانی زعبارات مجوے

بی رفع قیود وعبارات مجوے

خواہی یابی زعلت جہل شفا

قانون نجات از اشارات مجوے

برچہرہ حقیقت اگر ماند پردہ ئے

جرم نگاہ دیدہ صورت پرست ما ست[۷۳]

مولانا نے نحو کے ائمہ محققین کی کتابوں کو نصاب میں داخل کرنے پر زور دیا، بصرہ کے اسکول کی اندہی تقلید سے اجتناب کرتے ہوئے کبھی کوفہ اور بغداد کے اسکولوں کی رایوں کو راجح قرار دیا، اور کبھی دلائل کی روشنی میں ان سب سے اختلاف کیا، متاخرین کے طویل وصبر آزما طریقون کو جن کا فن سے کوئی تعلق نہیں تھا خیر باد کہا، اور نحو کے اصل علم وفن کے حصول کا راستہ آسان کیا اور ببانگ دھل اعلان کیا:

قدماء کا تھا راستہ دشوار
بیٹھ جاتا تھا راہرو تھک کر
راہ تاریک اور منزل دور
اور پھر ہر قدم پر اک ٹھوکر
اب ہے اعراب کی نئی تعریف
اور ترتیب فن بطرز دگر
کثرت مرتبہ ہے خاصہ اسم
فعل وحرف اس سے بری ہیں یکسر

۷۳ترجمہ

فعل اعراب سے ہوئے آزاد
اور عوامل ہیں سارے شہر بدر
فن میں اب کوئی پیچ و خم نہ رہا
راہ مشکل رہی نہ طول سفر

مولانا فراہی نے فطرت وہدایت سے منحرف یونانی فلسفہ اور منطق پر پر زور لفظوںمیں نکیر کی، امام غزالی کی (تھافت الفلاسفۃ) کے کچھ حصون کو سراھا، لیکن واضح کیا کہ امام غزالی نصاب میں منطق کو داخل کرنے اور اسے عام کرنے کے ذمہ دار ہیں، ابن تیمیہ نے گرچہ منطق کے قلعہ کو مسمار کردیا، لیکن چونکہ کوئی نیا طریقہ استدلال نہیں پیش کیا نتیجہ یہ رہا کہ لوگ اسی یونانی منطق کو پڑھتے پڑھاتے رہے، مولانا فراہی نی ابن تیمیہ کی کتاب (الرد علی المنطقیین) کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے کام کو آگے بڑھایا، اور پہلی بار قرآن کے مناہج استدلال کو منظم طریقہ سے پیش کیا، اور اس کے لئے اپنی معرکۃ الآراء کتاب (حجج القرآن) تصنیف کی.

مولانا نے عقیدہ وکلام کے مباحث پر محققانہ نگاہ ڈالی، وہ غیر ضروری مباحث جنہیں یونانی فلسفہ کے زیر اثر عقیدہ کا جزء بنا دیا گیا تھا انہیں نکال کر باہر کیا، اور معتزلہ واشاعرہ کی غلطیون کو واضح کیا، اور امور عقائدیہ میں استدلال کی بنیاد قرآن کریم، صحیح احادیث اور صریح عقل پر رکھی، اور اس کے لئے اپنی کتاب (القائد إلی عیون

العقائد) تصنیف کی، خالص اسلامی عقائد کو اپنی تفسیرون میں جگہ جگہ پھیلایا، اور غلط عقائد کی موقع بموقع تردید کی.

فقہ کو اس کا صحیح مقام دیا، فقہی مسالک کو آراء کے درجہ میں رکھا، اور بجائے کسی خاص مسلک کا دفاع کرنے اور دوسرے مسالک کی تردید کرنے کے متقدمین کا طریقہ اپنایا کہ فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل تقابل کے ساتھ پڑھائے جائین تاکہ تعصب کا رجحان ختم اور فرقہ پرستی کا سد باب ہو، اور اس کے لئے نصاب میں علامہ ابن رشد کی بداية المجتهد داخل کی.

حدیث کو فقہ کا تابع بنانے کے بجائے اس کی وضاحت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم کام قرآن کریم کا بیان ہے، سنت کو قرآن کے بیان کی حیثیت سے سمجھا جائے، حدیث کی کتابیں سنن وغیر سنن دونوں پر مشتمل ہیں ان کی تحقیق کرنی چاھئے، اور وہ حدیثیں جو دین کے اصول (ایمان، نماز، تقوی، صبر وغیرہ) کی تعلیم دیتی ہیں ان پر کما حقہ وقت صرف کیا جائے.

قرآن کریم میں تدبر کی راہ ہموار کی، وہ سارے پردے جو قرآن کو ہماری نگاہوں سے چھپائے ہوئے ہیں ان کو اٹھا دیا، اور تیس سال تک کتاب الہی میں غور وخوض کر کے اس کتاب کی وہ عظیم خدمت کی جس کی وہ مستحق ہے، امام ابن تیمیہ کے بعد مولانا فراہی پہلے عالم ہیں جنہوں نے قرآن کی مرکزیت کو واضح کیا، اور قرآن فہمی میں بہت

سی حیثیتون سے امام ابن تیمیہ پر بہی فوقیت اختیار کی، قرآن فہمی کے موضوع پر مولانا کی مکمل وغیر مکمل کتابوں کی فہرست طویل ہے.

شاید یہ سوال آئے کہ مولانا فراہی نے اپنے زمانہ کی عام روش کے بر خلاف کس طرح حقائق کو براہ راست سمجھا اور ان پر ڈالے گئے پردون کو اٹہایا، اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا فراہی نے قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کے فطری اور عقلی طریقہ استدلال کی گہرائی کو سمجھا، اورپہر ابراہیم علیہ السلام کی طرح روایتون اور رسمون کے سارے پردے ھٹا کر حقائق کو بے نقاب کیا، مولانا فراہی کے بعد علامہ اقبال تنہا مفکر ہیں جنہوں نے بڑی حدتک ابراہیم علیہ السلام کے اس مقام کو سمجھا:

وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
نگاہ وہ نہیں جو سرخ وزرد پہچانے
نگاہ وہ ہے کہ محتاج مہر وماہ نہیں

سرائے میر میں

صبح آٹھ بجے میں اور میرے بھائی محمد مزمل ندوی مولانا عبد الوحید صاحب قاسمی کی گاڑی پر جسے ان کے صاحبزادے چلا رہے تھے سرائے میر کے لئے روانہ ہوئے، ان راستوں سے گزرتے ہوئے جن پر کتنی بار بس سے، سائیکل سے یا پیدل چلنا ہوا ہے،

مدرسۃ بیت العلوم

پونے نو بجے سرائے میر میں داخل ہوئے، داہنی طرف مدرسۃ بیت العلوم تھا، جس میں اب بہت سی نئی اور بلند وبالا عمارتیں بن گئی ہیں، یہ مدرسہ مولانا تھانوی کے مشہور خلیفہ شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہما کا قائم کیا ہوا ہے، اور اس کا منہج مدرسۃ الاصلاح سے الگ ہے:

ہے رنگ لالہ وگل ونسرین جدا جدا

اور بنظر انصاف دیکھیں تو الوان واسالیب کے اختلاف وتنوع کے با وجود نسبت سارے مدرسوں اور تعلیمی وتربیتی اداروں اور مرکزون کی ایک ہی ہے:

یکے ست نسبت شیرازی وبدخشانی[٧٤]

---

٧٤ ترجمہ

مولانا عبد القیوم صاحب

اس مدرسہ میں میرے رشتہ کے پھوپھا بکھرا (ضلع اعظمگرھ) کے مولانا عبد القیوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ پڑھاتے تھے، جو جید عالم اور صلاح وتقوی سے آراستہ تھے، اور چہرہ بہت نورانی، مولانا کی وجہ سے میرے گھر کا اس مدرسہ سے گہرا تعلق رہا ہے، اسی میں میرے بڑے والد حافظ عبد اللطیف صاحب اور میرے والد صاحب نے اس علاقہ کے مشہور حافظ وبزرگ حافظ نسیم صاحب کی شاگردی میں حفظ قرآن کیا، یہاں میری گاؤں کے مفتی حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی سالوں تک پڑھا چکے ہیں:

اے گل بتو خرسندم، تو بوئے کسے داری[۷۵].

کہریوان

سرائے میر میں داخل ہوتے ہی ہم لوگ کہریوان کی طرف مڑے، یہ دوسری بار کہریوان جارہا ہوں، پہلی بار اس وقت آیا تھا جبکہ مشہور واعظ مولانا حقانی صاحب یہاں سنہ ۱۹۷۵ میں یا اس سے پہلے تشریف لائے تھے، اور اس وقت ان کی تقریروں کا بڑا چرچا تھا، ان کی تقریر سننے کے لئے گیا تھا، اور رات میں شاید شکیل بھائی کے گھر پر ہی قیام کیا تھا.

۷۵ترجمہ

میں نے شکیل بھائی کو فون کیا کہ ہم لوگ کہریوان میں داخل ہو رہے ہیں، ان کے گھر کا راستہ کس طرف سے ہے، شکیل بھائی نے فرمایا کہ ہم لوگ سیدھے چلے آئیں کہریوان کا راستہ ان کے گھر کے پاس ہی سے گزرتا ہے، ہم لوگ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ شکیل بھائی گھر کے باہر پائپ پر ہاتھ دھوتے نظر آگئے، وہ ابھی ابھی ناشتہ سے فارغ ہوئے تھے، ہم لوگوں نے شکیل بھائی سے مصافحہ کیا:

گھر کا سارا راستہ اس سرخوشی میں کٹ گیا
اس سے اگلے موڑ کوئی ہم سفر ہونے کو ہے

مولانا آفتاب صاحب ندوی

وہیں ایک اور مانوس چہرا نظر آیا لیکن مجھے پہچاننے میں پریشانی ہوئی، معانقہ کیا تو معلوم ہوا کہ دہن باد کے برادر مکرم مولانا آفتاب صاحب ندوی ہیں، اتنی مدت کے بعد غیر متوقع ملاقات سے بہت خوشی ہوئی، آفتاب صاحب ندوہ میں کئی سال مجھ سے جونیر تھے، آخری سالوں میں ان سے دوستی ہوگئی تھی، ہم لوگ شام کو اکثر ساتھ ٹہلتے، اور شاید ایک بار مولانا محمد احمد پرتاپگڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے الہ آباد کا سفر بھی ساتھ میں کیا ہے، آفتاب صاحب جیسے بے تکلف اور مخلص دوستوں کی اس دنیا میں بہت کمی ہے، اتنی طویل جدائی کے بعد اب بھی وہی کشش ہے.

چارپائیاں اور گاؤں کی زندگی

شکیل بھائی نے آم اور چائے سے ہماری ضیافت کی، گھر کے باہر چارپائیاں لگی ہوئی تھیں، شکیل بھائی نے کہا چارپائیوں پر بیٹھتے ہیں اور گاؤں کا مزا لیتے ہیں، چنانچہ ہم لوگ ان چارپائیوں پر بیٹھ گئے، گاؤں میں چارپائیاں بہت کام آتی ہیں، چارپائیوں پر لوگ سوتے ہیں، انہیں پر مجلس آرائی کرتے ہیں، اور میں جب چھوٹا تھا تو چارپائیوں پر بیٹھکر ہم اپنے سبق یاد کرتے، ہوم ورک کرتے، اور مطالعہ کرتے، اور بچے دو چارپائیوں کو کھڑا کرکے ان پر چادر ڈالکر گھر بناتے اور کھیلتے، اس مناسبت سے رشید احمد صدیقی صاحب کا مضمون یاد آرہا ہے جس میں انہوں نے چارپائیوں کے کارنامے بیان کئے ہیں:

"چارپائی اور مذہب ہم ہندوستانیون کا اوڑھنا بچھونا ہے، ہم اسی پر پیدا ہوتے ہیں، اور یہیں سی مدرسہ، آفس، جیل خانے، کونسل یا آخرت کا راستہ لیتے ہیں، چارپائی ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، ہم اس پر دوا کھاتے ہیں، دعا اور بھیک بھی مانگتے ہیں، کبھی فکر سخن کرتے ہیں اور کبھی فکر قوم، اکثر فاقہ کرنے سے بھی باز نہیں آتے"،

"ہندوستاں ترقی کرتے کرتے تعلیم یافتہ جانور ہی کیون نہ ہوجائے، اس سے اس کی چارپائیت نہیں جدا کی جاسکتی. "

مدرسۃ الاصلاح میں میری تقریر

مدرسۃ الاصلاح میں میری تقریر شکیل بھائی کی تحریک کا نتیجہ تھی، اور ان کے بھائی ڈاکٹر نازش احتشام اصلاحی اعظمی صاحب نے اس کے نظم ونسق میں بڑی تگ ودو کی تھی، آس پاس کے اصلاحیوں، اور مختلف مدارس کے اساتذہ اور ذمہ داروں کو شرکت کی دعوت دی تھی، اصلاح پر میرا آنا جانا برابر ہوتا رہا ہے، میرے استاذ مولانا مشتاق صاحب اصلاحی بعد میں یہیں منتقل ہوگئے تھے، کبھی کبھی ان سے ملاقات کے لئے یہاں آنا ہوا، میرے بھائی مزمل نے یہاں کئی سالوں تک پڑھا ہے، مجھے اصلاح میں کبھی محسوس نہیں ہوا کہ "اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں"، اصلاح کے اساتذہ کی جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے ان کی سادگی، قناعت پسندی اور زاہدانہ زندگی ہے، یہی خوبیاں میں نے مولانا آزاد تعلیمی مرکز میں اپنے اصلاحی اساتذہ میں پائیں، اور ہمارے استاد مولانا شہباز اصلاحی بھی اسی سادگی سے متصف تھے، ناظم مدرسہ اصلاح جناب مولانا مرزا اشفاق احمد اصلاحی صاحب اپنی سادگی اور زھد وقناعت میں نمونہ اسلاف ہیں.

مولانا سرفراز صاحب اصلاحی

ہم لوگ ساڑھے دس بجے مدرسۃ الاصلاح پہنچے، برادر معظم مولانا سرفراز صاحب اصلاحی نے ہمارا استقبال کیا، سرفراز صاحب اور میں نے ایک ہی سال ندوہ میں داخلہ لیا، میرا داخلہ عالیہ ثانیہ میں ہوا تھا، سرفراز صاحب اصلاح کے فارغ التحصیل تھے،

اور انہوں نے تخصص في الأدب العربی میں داخلہ لیا تھا، سرفراز صاحب ندوہ میں جلد ہی نمایاں ہوگئے، شاید ڈاکٹر اجمل اصلاحی صاحب کے بعد سرفراز صاحب دوسرے اصلاحی ہیں جنہوں نے ندوہ میں اصلاح کا نام روشن کیا، داخلہ کے چند ہی مہینّے کے بعد سرفراز صاحب کا ایک مضمون "الرائد" میں شائع ہوا، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر سرفراز صاحب اپنی مادر علمی میں مدرس ہوگئے، اور کئی سالوں تک مدرسہ کے صدر رہے، سرفراز صاحب بہترین مقرر ہیں، اور ان کی تقریرون کا ہمارے علاقہ میں چرچا ہے:

زنسیم جان فزایت دل مردہ زندہ گردد

زکدام باغی اے گل کہ چنین خوش است بویت[۷۶]

سرفراز صاحب ہمیں مہمان خانہ میں لے کر گئے جہاں چائے وغیرہ سے ہماری خاطر داری کی، یہیں مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی صاحب سے ملاقات ہوئی، جو اس وقت مدرسہ کے موقر اساتذہ میں سے ہیں، تفسیر اور قرآنیات میں نمایاں، کیا اچھا ہوتا کہ ان کے ساتھ کچھ دیر بیٹھتے، تعارف حاصل کرتے، اور قرآنی علوم کے متعلق ان سے گفتگو ہوتی، لیکن اس مختصر وقت میں اس کی گنجائش نہیں تھی، مولانا کا ذوق وشوق فراوان

۷۶ترجمہ

ہو:

جوان بخت وجوان طالع جوان باد[۷۷]

مولانا انیس اصلاحی

اسی دوران مولانا انیس اصلاحی تشریف لائے، جو سدا بہار شخصیت کے مالک ہیں، سنہ ۱۹۸٦ میں ہم لوگ ریاض میں تھے، انیس صاحب کی مجلسوں نے وہاں ہماری گھبراہٹ اور پریشانی کو دور کردیا تھا، انیس صاحب مجلسی آدمی ہیں، اشعار خوب یاد ہیں، اور ہر موضوع پر گفتگو کرسکتے ہیں، ان کا انداز گفتگو مؤثر اور دلچسپ ہے.

میری تعلیم کا آغاز

یہاں کوئی جنازہ تھا، جس کی وجہ سے پروگرام میں کچھ تاخیر ہوگئی، پروگرام تقریبا گیارہ بجے شروع ہوا، پورا ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا، بہت سے لوگ باہر بھی کرسیوں پر بیٹھے تھے یا کھڑے رہے، جلسہ کی صدارت شکیل بھائی نے کی، اور نظامت مولانا محمد عمر اصلاحی صاحب نے، قراءت اور مدرسہ کے ترانہ سے اجلاس کا آغاز ہوا، تعارفی کلمات کے بعد مجھے خطاب کے لئے بلایا گیا، میں نے تمہیدا عرض کیا کہ میں نے مولانا آزاد تعلیمی مرکز میں تین سال پڑھا ہے، جس کا نصاب اصلاح کے نصاب کا پرتو ہے،

۷۷ترجمہ

میں نے بھی اسباق النحو، أمثال آصف الحکیم، کتاب قواعد اللغة العربیة، کلیلة ودمنة، اور دیوان ابو العتاهیة وغیرہ کتابیں اصلاح کے نصاب کے مطابق پڑھی ہیں، میرے اساتذہ میں مولانا اظہار اصلاحی، مولانا مشتاق احمد اصلاحی، مولانا شمیم اصلاحی رحمۃ اللہ علیہم اور مولانا عبد القدوس اصلاحی مد ظلہ العالی ہیں، اس لئے مدرسۃ الاصلاح میرے لئے اپنا ہی مدرسہ ہے، اس کے بعد میں نے اپنی کتاب المحدثات کا تعارف کرایا، اور ماضی کی عورتوں کی مثالین دین کہ کس طرح انہوں نے علم کے ہر شعبہ میں ترقی کی، اور کس طرح وہ مدرسوں میں، مسجدون میں ہر جگہ پڑھتی اور پڑھاتی تہیں، سامعین نے بڑی دلچسپی سے یہ تقریر سنی.

شکیل بھائی نے صدارتی تقریر کی، کلمات تشکر سہیل احمد اصلاحی صاحب معتمد تعلیم نے پیش کئے، اور آفتاب عالم ندوی صاحب کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا، مدرسۃ الاصلاح کے ذمہ داروں کی کشادہ دلی اور وسعت ظرفی کی ایک مثال یہ دیکھنے میں آئی کہ اس پروگرام میں صدارت ایک ندوی کی، تقریر ایک ندوی کی، اور دعاء بھی ایک ندوی کی، اور میرا مشاہدہ ہے کہ مدرسۃ الاصلاح میں اور جہاں بھی اصلاحیوں سے میری ملاقات ہوئی ہے کبھی اجنبیت نہیں محسوس ہوئی، اور نہ ان کی طرف سے کسی قسم کے تعصب یا تنگ نظری کا کوئی تجربہ ہوا، جبکہ عام طور سے تعلیمی وغیر تعلیمی اداروں میں تعصب اور گروہ بندی کے تکلیف دہ نمونے سامنے آتے رہتے ہیں، بلکہ ایسا محسوس

ہوتا ہے کہ بعض ادارے اسی تعصب وتنگ نظری پر قائم ہیں.

جامعۃ الطیبات

اس کے بعد مدرسۃ الاصلاح سے شمال میں دو کلومیٹر کی دوری پر لڑکیوں کے ادارہ جامعۃ الطیبات میں میری تقریر تہی، یہ مدرسۃ موضع طوی میں کنور ندی کے کنارے ایک کشادہ جگہ پر واقع ہے، مشہور عالم دین مولانا جلیل احسن ندوی یہیں کے رہنے والے تھے، تیس سال پہلے قائم شدہ اس مدرسہ میں ایک ہزار طالبات ہیں، اس کے مہتمم مولانا عتیق الرحمن اصلاحی، اور پرنسپل مولانا دلشاد احمد اصلاحی جامعی ہیں،

مولانا عتیق الرحمن اصلاحی

مولانا عتیق الرحمن صاحب فعال اور خوش طبع انسان ہیں، ان کے دفتر میں ہم لوگوں نے چائے پی، اور اسی دوران وزیر صاحب بہی پہنچ گئے، تعارف پر معلوم ہوا کہ وزیر صاحب مولانا عتیق صاحب کے کلاس فیلو رہ چکے ہیں، وزیر صاحب نے اصلاح میں اپنے دوسرے ساتھیوں اور اساتذہ سے ملاقات کی، اور مدتوں بعد اپنی مادر علمی میں آکر اور یہاں کی ترقیات دیکھکر بہت خوش ہوئے.

طالبات سے خطاب

چھوٹی طالبات مہذب لباس میں اور بڑی طالبات اور استانیاں نقاب میں تہیں، میں

نے یہاں مختصر خطاب کیا، جس میں طالبات کو یاد دلایا کہ اللہ تعالی کا شکر ادا کریں کہ انہیں طلب علم کا کتنا اچھا موقع ملا ہوا ہے، ورنہ ہندوستاں میں کتنے علاقے ہیں جہاں لڑکیوں کو یہ موقع میسر نہیں، بلکہ یہاں بھی کچھ سالوں پہلے لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی نظم نہیں تھا، میں نے مردوں کو توجہ دلائی کہ اگر ہم لڑکیوں کی تعلیم میں کوتاہی کرتے ہیں تو کل ہمیں اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا، شکیل بھائی نے بھی مختصر تقریر کی، اور طالبات کی ہمت افزائی کی، اس کے بعد طالبات میں انعامات تقسیم کئے گئے، مدرسہ کی طالبات کو دیکھکر بڑا اثر ہوا کہ ان پاکیزہ نفوس کو کمزور جان کر مرد کس قدر ان کی تحقیر کرتے ہیں اور کس طرح ان پر ظلم کرتے ہیں، لوگ دنیا میں ہر محسن کی عزت کرتے ہیں، لیکن اس کی عزت نہیں کرتے جس کی رہین منت ہے ان کی زندگی، جس نے ہمارے عیش وآرام کے لئے اپنی ہر راحت قربان کی، لوگ لعل وگہر کی قیمت جانتے ہیں حالانکہ ان کی چمک دمک کے علاوہ لوگوں کی زندگیون پر ان کا کوئی احسان نہیں، اور عورتیں جو لعل وگہر سے زیادہ قیمتی اور جن کے احسان ہر محسن کے احسان سے زیادہ ہیں ان کی قدر ہم نہ جان سکے.

اساتذہ کے ساتھ ظہرانہ

مدرسۃ الاصلاح واپس آکر ہم نے مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی، اور اساتذہ کے ساتھ لنچ کیا، سارے اساتذہ نے بہت ہی محبت کا مظاہرہ کیا، اور دستر خوان پر بے تکلفانہ باتیں

ہوتی رہیں، اس کے بعد شکیل بھائی مدرسہ کی ایک میٹنگ میں شرکت کے لئے چلے گئے، وہ مدرسہ کی انتظامیہ کے ممبر ہیں، اور کل ان کا سفر بھی ہے، اساتذہ وغیرہ سے ملکر ہم بھی تقریبا چار بجے یہاں سے رخصت ہوئے.

دائرہ حمیدیہ

ہم نے صبح کے وقت اور رخصت ہوتے ہوئے دائرہ حمیدیہ کی زیارت کی، یہی وہ جگہ ہے جہاں سے مولانا فراہی کی کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں، اور یہیں وہ طلبہ کو پڑھاتے تھے،

مولانا عبدالحمید فراہی

یہیں وہ عبقری تھا جس کے کارنامے بہت لیکن آوازہ ونام نہیں، جس نے مختصر لفظوں اور جملوں میں قرآن کریم کی وہ مشکلات حل کی ہیں جنہیں لوگ لمبی لمبی عبارتوں میں حل نہیں کرسکے:

قیس سا پہر نہ اٹھا کوئی بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے قبیلے کا اسد ایک ہی شخص

بر صغیر میں اگر حکمت دین کی تشریح میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی کوئی نظیر نہیں، شرک وبدعت کے ازالہ میں شاہ اسماعیل شہید کی کوئی مثال نہیں، جہاد وسرفروشی میں سید احمد شہید کا ہمسر کوئی نہیں، سنت وحدیث کی اشاعت میں مولانا گنگوہی کا کوئی قرین

نہیں، فلسفہ تعلیم وتاریخ وادب میں شبلی کا ہم پلہ کوئی نہیں، مغربی افکار ونظریات کی تردید میں مولانا مودودی سے زیادہ طاقتور کوئی قلم نہیں، معتدل اور متوازن اسلامی فکر کی تشریح، اور اسلام پر اعتماد بحال کرنے میں مولانا ابو الحسن علی ندوی کی کوششوں کا کوئی بدل نہیں، تو اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کی مرکزیت واضح کرنے، قرآن کریم کے معجزانہ پہلوؤں کو بیان کرنے، اس کے پیغام کی گہرائیوں کو سمجھنے، اس کے محکمات ومتشابہات کو حل کرنے، اور اسے ایک منظم مربوط وہم آہنگ کتاب کی حیثیت سے پیش کرنے میں بر صغیر ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں، عصر حاضر ہی میں نہیں بلکہ صدیوں میں مولانا فراہی جیسا کوئی امام نہیں، بلکہ ان کا عشر عشیر بھی کوئی نہیں:

داغ دل خون گشتہ سے پنجہ جو ملاتا
ایسا تو کوئی لالا لہ گلستان میں نہ پھولا

جہل خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے

میرے اور مولانا فراہی میں نہ خون کا کوئی رشتہ ہے، اور نہ کسی مادی منفعت کا تعلق، مجھے اس صاحب قرآن، مرد ایمان وایقان اور نماز اور عبودیت میں فنا در یتیم ونادرہ

روزگار سے اس لئے محبت ہے کہ اسے کتاب الٰہی سے محبت تھی:

ہر گہ کہ یاد روئے تو کردم جوان شدم[۷۸].

بہت مشکل ہے دنیا کا سنورنا

تری زلفوں کا پیچ و خم نہیں ہے

برا ہو تعصب وتنگ نظری کا، برا ہو سستی وکاہلی کا، برا ہو آسان پسندی کا کہ آج تک لوگ اس انسان عظیم کے کارناموں سے غافل ہیں:

ادائیں شب کی تو سب لوگ دیکھتے ہیں مگر

ہم ان کی بگڑی ادائیں سحر کو دیکھتے ہیں

مدرسوں کا علمی انحطاط

مدرسوں اور تعلیمی اداروں میں فتوی بازی، اخبار نویسی، اور مقررانہ جادو بیانی کا بازار گرم ہے، سارے علوم وفنون پڑھے اور پڑھائے جا رہے ہیں، ان کتابوں کے درس پر وقت صرف کیا جا رہا ہے جن سے نا واقفیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ مدرسوں میں سائنس اور دوسرے عصری علوم پڑھائے جانے پر زور دے رہے ہیں، مدرسوں کے نصاب اور نظام کی اصلاح کی کوششیں علماء اور غیر

۷۸ترجمہ

علماء دونوں کر رہے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کی توجہ اس پر نہیں ہے کہ مدرسوں میں قرآن فہمی عام ہو، اور قرآن فہمی کو ترقی دینے کے لئے مثبت اور انقلابی کوششیں کی جائیں.

میں اس کا اہل تو نہیں کہ کوئی نصیحت کروں، یا اس طرح کی کوئی جرأت کروں، البتہ مدرسۃ الاصلاح کے طلبہ سے گزارش ضرور کرون گا کہ دنیا کے سارے طلبہ جب بہتر اور روشن مستقبل کے لئے جدید موضوعات میں اختصاص پیدا کر رہے ہوں، اور ملازمتون کے لئے اپنی نسبتین گنوا رہے ہوں، اور اپنی شناخت ختم کر رہے ہوں، آپ کتاب الہی کی محبت میں اس روشن مستقبل کو قربان کرنے کا حوصلہ پیدا کریں:

تقول نساء الحي تطمع أن ترى

محاسن ليلى مت بداء المطامع

وكيف ترى ليلى بعين ترى بها

سواها وما طهرتها بالمدامع

وتلتذ منها بالحديث وقد جرى

حديث سواها في خروق المسامع[۷۹]

اور یاد رکھیں کہ انسان کا اصلی عیش دل ودماغ اور قلب ونظر کا ہے، جسم اور نفسانی

۷۹ترجمہ

خواہشات کا نہیں، دنیا جب بڑے بڑے مادی امکانات وجسمانی لذات کی تلاش میں ملکون ملکون در بدر پھر رہی ہو آپ اپنی اس امام اعظم کی طرح دنیا سے آنکھیں بند کرکے کتاب الٰہی کو اپنے سینون سے لگا لین، اس کے حروف سے اپنی آنکھوں کو روشن کریں، اس کی معانی سے اپنی عقل کو تیز کریں، اور اس کی محبت و عظمت سے اپنے قلوب منور کریں:

آنکس کہ ترا شناخت جان را چہ کند
فرزند وعیال وخانمان را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہاں را بخشی
دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند[۸۰]

---

۸۰ ترجمہ

وطن کی دوسری سرگرمیاں

مدرسہ ضیاء العلوم

۲۵ جولائی کی صبح کو سات بجے اپنے بھائی اجمل کے ساتھ مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلان گیا، مانی میرے گاؤں سے دکھن کی جانب دو کلو میٹر پر واقع ایک پرانا قصبہ ہے، یہاں بہت سے علماء ونامور پیدا ہوئے، جن میں سب سے زیادہ مشہور مولانا ماجد مانوی جونپوری تھے، جو مولانا گنگوہی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، اور جنہوں نے مدتوں کلکتہ میں معقولات وغیرہ کی تعلیم دی، مدرسہ ضیاء العلوم نے شاہ وصی اللہ فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ جلیل مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے بہت ترقی کی، میرے بچپن میں یہ مدرسہ اپنی شہرت کی بلندیوں پر تھا، اور ملک کے دور دراز علاقوں کے طلبہ یہاں پڑھتے تھے، میں نے یہاں نو سال کی عمر میں فارسی کی کلاس میں داخلہ لیا، یہاں دو سال فارسی پڑہی اور عربی کی پہلی کلاس، یہ سنہ ۱۹۷۴ کا زمانہ تھا کہ بعض اختلافات کی وجہ سے مولانا عبد الحلیم رحمۃ اللہ علیہ یہاں سے گورینی منتقل ہوگئے، اور وہاں مدرسہ ریاض العلوم قائم کیا، مدرسہ ضیاء العلوم اس وقت سے زوال کا شکار ہوگیا، اور اب تک نہیں سنبھل سکا:

لو تراه علمت أن الليالي

جعلت فیہ ماتما بعد عرس[۸۱]

مدرسے کے اجڑنے کے بعد میں نے مولانا آزاد تعلیمی مرکز اسرہٹہ میں داخلہ لے لیا،

مولانا عبد العلی صاحب مانوی

ضیاء العلوم میں میرے سب سے محبوب استاد مولانا عبد العلی صاحب مانوی تھے، جو ضیاء العلوم میں مولانا شیخ یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلاس فیلو تھے، اور مظاہر العلوم سے فراغت کی، مولانا عبد العلی صاحب سے میں نے گلستان، بوستان، اخلاق محسنی، یوسف زلیخا، اور انوار سہیلی وغیرہ پڑہی، مولانا بڑی محنت سے پڑہاتے تھے، میں نے اب تک فارسی زبان میں ان جیسا ماہر نہیں دیکھا، فارسی شاعری کا بڑا اچھا ذوق ہے، اور علامہ شبلی کی شعر العجم کی خوبیوں کے قائل، کبھی کبھی مختلف شعرائے فارسی کی کلام پڑہتے اور مجھ سے ان کا مطلب پوچھتے، مقصود یہ تھا کہ شعر فہمی میں میری تربیت کریں، آپ مجھ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے، میں آپ ہی سے ملاقات کے لئے ضیاء العلوم حاضر ہوا تھا، مدتوں سے ضیاء العلوم کے ناظم ہیں، مجھے آپ سے اجازت عامہ حاصل ہے، دونوں استدعاءات پر اجازت لی، اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، مولانا پر اپنے ساتھی شیخ یونس علیہ الرحمۃ کی

---

۸۱ ترجمہ

وفات کا بڑا رنج تھا، فرمانے لگے کہ ہم تین کلاس فیلوز تھے، دو (یعنی شیخ یونس اور مولانا عبد الرشید صاحب بستوی) کا انتقال ہوچکا ہے، اب صرف میں بچا ہوں، مولانا نے مسلسلات اور صحیح بخاری شیخ محمد زکریا کاندہلوي سے اخذ کی، صحیح مسلم شیخ منظور أحمد صاحب سے، اور بقیہ کتابیں دوسرے شیوخ سے، تفصیلات میری معجم الشیوخ میں شیخ یونس کے تذکرہ میں موجود ہیں:

تو کہاں ہے اے کلیم ذروہ سینائے علم
تہی تری موج نفس باد نشاط افزائے علم
اب کہاں وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بہی سودائے علم

مدرسہ سلیمانیہ میں قومی یکجہتی پر جلسہ

آج نو بجے میرے گاؤں کے مدرسہ سلیمانیہ میں کلیۃ الصالحات کے ذمہ دار حافظ ابو بکر نے قومی یکجہتی کے موضوع پر ایک جلسہ کا انعقاد کیا تھا، جس میں کچھ ہندو بہی شریک ہوئے تھے، اس میں گاؤں اور آس پاس کے موقر تعلیم یافتہ حضرات نے خطاب کیا، میں نے بہی انسانیت سے متعلق قرآنی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وسیرت کی روشنی میں ایک پر جوش تقریر کی، پروگرام کے ختم پر سامعین کے لئے ناشتہ کا انتظام تھا.

قبا انگلش میڈیم اسکول

گیارہ بجے مجھے قبا انگلش میڈیم اسکول میں ایک تقریر کرنی تھی، یہ اسکول میرے گاؤں سے تقریبا چھ کلومیٹر کی دوری پر مولانا آزاد تعلیمی مرکز کے قریب واقع ہے، یہ اسکول پچھلے سال قائم ہوا ہے، افتتاح کے موقع پر بھی میں نے شرکت کی تھی،

مولانا ابرار احمد ندوی

اس کے ذمہ دار مولانا ابرار احمد ندوی ہیں، با صلاحیت، اخلاق مند، اور اچھے منتظم، اسکول میں عصری تعلیم کے ساتھ عربی زبان اور دینیات کی تعلیم کا بھی انتظام ہے، میں نے اونچے درجوں کے طلبہ وطالبات اور ان کے اساتذہ اور استانیوں سے خطاب کیا، میں نے ہمت افزائی کی کہ اسکول میں بچیاں بھی تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور ان کو بھی یکساں مواقع حاصل ہیں، اور اساتذہ کے سامنے طریقہ تعلیم پر گفتگو کی، اساتذہ اور استانیوں کی طرف سے بہت سے سوالات آئے، ان کے جوابات دیئے، یہیں ظہر کی نماز پڑھی اور اساتذہ کے ساتھ لنچ کیا.

مولانا آزاد تعلیمی مرکز

واپسی میں مولانا آزاد تعلیمی مرکز پر رک کر اپنے استاد مولانا عبد القدوس اصلاحی سے ملاقات کی، اس مدرسہ میں میں نے عربی دوم سے عربی چہارم تک تعلیم حاصل کی

ہے، عربی اول کے آخر میں ضیاء العلوم سے میں یہاں منتقل ہوکر آگیا تھا، اس وقت مدرسہ عروج پر تھا، صرف ونحو اور عربی زبان کو مضبوط کرنے کا بڑا اچھا موقع ملا، یہاں کے اصلاحی اساتذہ کا تذکرہ پہلے آچکا ہے، یہاں میں نے مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب سے القدوری اور اصول الشاشی پڑہی، مولانا ساجد صاحب قاسمی سے انشاء پڑہی، اور مولانا بیت اللہ صاحب قاسمی سے منطق اور کافیہ پڑہی، کافیہ پر میری تنقید واقف وشناسا کی تنقید ہے، اور میرا خیال ہے کہ نحو کے نصاب کو آجرومیہ، هداية النحو، کافیہ، شرح جامی، اورالفیہ ابن مالک وغیرہ سے پاک کرنا چاھئے، نحو کا اصل مرجع سیبویہ کی الکتاب ہے، اس کے بعد متاخرین میں سے ائمہ محققین یعنی ابو علی الفارسی، زمخشری، جرجانی، ابن یعیش، اور ابن ھشام وغیرہ کی تصنیفات، یہ وہ کتابیں ہیں جن سے اس فن شریف کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، علم صرف میں ابن حاجب کی الشافیہ اور اس پر رضي الدين استرابادی کی شرح کافی ہیں.

مدرسہ أسماء پارہ کمال

۲۶ جولائی کی صبح کو گیارہ بجے مدرسہ نسوان أسماء پارہ کمال میں میری ایک تقریر تہی، اس کے بانی اور ناظم مولانا عبد الوحید صاحب قاسمی ہیں، جو پختہ عالم دین، زبردست مقرر، وسیع القلب مصلح ہیں، یہ اس علاقہ کا سب سے پہلا مدرسہ نسوان ہے، مولانا

نے مخالفتون کے باوجود پوری ہمت کے ساتھ اس مدرسہ کو بنایا، اس مدرسہ سے میرا پرانا تعلق ہے، میری والد صاحب اس کے ممبر رہ چکے ہیں، میری دو بہنوں اسماء اور عاصمہ نے کئی سال تکیہاں پڑھایا ہے، اس وقت میری تین بھانجیاں آمنہ، ثمینّہ اور نادیہ یہاں زیر تعلیم ہیں، یہاں میں نے حدیث شریف کی تاریخ اور اس کے ارتقاء کے موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کی.

مولانا عبد الحی قاسمی صاحب کے مدرسے میں

اس کے بعد مولانا عبد الوحید صاحب کی معیت میں کھٹھن کے قریب ایک گاؤں کے مدرسہ کی تقریب میں شرکت کے لئے گیا، یہ گاؤں کھیتا سرائے سے مغرب میں چھ سات کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے، راستہ کی خرابی کی وجہ سے ہم لوگ دیر سے پہنچے، یہ مدرسہ میرے گاؤں کے نوجوان عالم مولانا عبد الحی قاسمی صاحب نے قائم کیا ہے، اس گاؤں میں کوئی مدرسہ نہیں تھا، اور اس پورے علاقہ میں جہالت اور گمراہی بہت تہی، مولانا نے طے کیا کہ یہاں مدرسہ قائم کر کے یہاں کے لوگوں میں علم کی روشنی پھیلائیں، کئی سالوں سے قائم اس مدرسہ نے نا موافق اور ہمت شکن حالات کے باوجود ترقی کی، اس وقت اس میں دیوبندی، بریلوی، سنی شیعہ اور ہندو مسلمان سب زیر تعلیم ہیں، اجلاس میں ہندو بھی شریک تھے، میں نے تعلیم کی متعلق اسلام کا نقطہ نظر، اور سیرت کے واقعات کی روشنی میں انسانیت سے متعلق اسلام کی خوبیوں کو

واضح کیا.

مدرسہ ریاض العلوم گورینی

یہاں سے فارغ ہوکر تقریبا ساڑھے چار بجے مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہنچا، میرے بھائی محمد اجمل میرے منتظر تھے، اجمل کے ساتھ سیدھا مدرسہ کے کتب خانہ گیا، اپنے بہنوئی مولانا محمد یوسف قاسمی سے جو یہاں مدرس ہیں اور جید عالم ہیں ملاقات کی، وہ اور ناظر کتبخانہ مولانا مقبول احمد صاحب مظاہری دیر سے میرے آنے کا انتظار کر رہے تھے،

مولانا مقبول احمد صاحب مظاہری

مولانا مقبول صاحب میرے پرانے دوست ہیں، جب میں مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلان میں طالب علم تھا مولانا بھی اس وقت وہاں طالب علم تھے، مجھ سے دو ایک سال سینیر تھے، مولانا کو کتابوں سے بہت دلچسپی ہے، وہ ایک بہترین لائبریرین ہیں، میں نے مدرسوں میں ایسے لائبریرین بہت کم دیکھے ہیں.

قاری شمیم احمد مظاہری

میں نے اپنے استاد قاری شمیم احمد مظاہری سے ملاقات کی، وہ میرے والد صاحب کے دوست ہیں، میں نے کچھ مہینے آپ سے قراءت و تجوید کا علم حاصل کیا ہے،

اپنے فن کے ماہر ہیں، نرم خو، ہنس مکھ اور بہت شریف انسان ہیں، آپ سے مجھے اجازت عامہ حاصل ہے، میں نے دونوں استدعاءات پر آپ سے اجازت لی، آپ نے صحیح بخاري اور تفسیر بیضاوي شیخ یونس علیہ الرحمۃ سے، صحیح مسلم اور سنن أبي داود مولانا عاقل صاحب سے، سنن ترمذي مفتي محمد مظفر صاحب سے، اور سنن نسائی مفتي یحیی صاحب سے پڑہی ہے، اور قراءت و تجوید میں قاری اسماعیل صاحب کے شاگرد ہیں.

قاری اسماعیل صاحب

اس کے بعد قاری اسماعیل صاحب سے ملاقات کی جو قاری شمیم صاحب کے استاد ہیں، اور اس علاقہ کے سب سے زیادہ سینیر مدرس قراءت و تجوید ہیں، ان سے بہی دونوں استدعاءات پر اجازت لی، قاری صاحب نے اپنی سندیں مجھے دکھائیں، میرے بہنوئی مولانا یوسف صاحب نے ان کی فوٹو کاپی کرا کے مجھے دیں، قاری صاحب نیک، سادہ مزاج، ذی مروت اور متواضع ہیں، اپنے نرم و شریفانہ اخلاق کی بنا پر مدرسہ میں مقبول اور ہر دلعزیز ہیں، جب بہی مدرسہ آنا ہوتا ہے میرا خاص خیال کرتے ہیں.

ما برون را ننگریم وقال را

ما درون را بنگریم و حال را[۸۲]

مولانا عبد الحی صاحب

قاری اسماعیل صاحب سے رخصت ہو کر میں نے اپنے استاد خوش نویس و خطاط مولانا عبد الحی صاحب سے ملاقات کی، آپ سے میں نے ضیاء العلوم میں کچھ دنوں تک خطاطی سیکھی ہے، اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی مالا بد منہ پڑھی ہے، اور آپ سے مجھے اجازت عامہ بھی حاصل ہے، آپ سے دونوں استدعاءات پر اجازت لی، آپ نے صحیح بخاري مولانا فخر الدین صاحب سے، سنن ترمذي مولانا فخر الحسن صاحب سے، صحیح مسلم اور موطأ مالک مولانا شریف صاحب سے، سنن أبي داود مولانا عبد الأحد صاحب سے، سنن النسائي مولانا بہاري سے، موطأ محمد مولانا نعیم صاحب سے، اور سنن ابن ماجہ مولانا نصیر أحمد خان صاحب سے پڑھی، مولانا عبد الحی صاحب کشادہ دل، متواضع اور ہمہ وقت خندان ہیں، خارج اوقات میں ہم طلبہ کو لمبی لمبی کہانیاں سناتے، مسلسل ومربوط، اور آپ کے حافظہ پر ہمیں سخت حیرت ہوتی، طلبہ سے بہت شفقت و محبت فرماتے.

مولانا عبد الرحیم مظاہری

---

۸۲ ترجمہ

میں نے عصر کی نماز سے پہلے ناظم مدرسہ مولانا عبد الرحیم مظاہری سے ملاقات کی، میں نے ان سے ضیاء العلوم میں میزان، منشعب اور پنج گنج پڑھی ہے،

حافظ نسیم صاحب

نماز عصر کے بعد اپنے والد صاحب کے استاد اور اس پورے علاقہ میں حفظ کے سب سے سینیر مدرس قاری شمیم صاحب کے والد ماجد حافظ نسیم صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات کی، حافظ صاحب گورے چٹے ہیں، چہرے پر نوجوانوں کی رعنائی، شگفتگی وشادابی ہے، بہت نیک، خدا ترس، دیندار، جفا کش، فرض شناس، نرم مزاج، خندان رو اور انسان دوست ہیں، بچپن سے دیکھتا آرہا ہوں کہ نماز کے وقت طلبہ کو مسجد جانے کے لئے متنبہ کرتے ہیں، مسجد میں طلبہ کی نگرانی کرتے ہیں، اور نماز صفون کی درستگی کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اس معمول میں کبھی ناغہ کرتے نہیں دیکھا، میں ہمیشہ آپ کی بزرگی کا معتقد رہا، اور مجھے آپ سے سد محبت ہے:

آئینہ دل چون شود صافی وپاکر

نقشہا بینی برون از آب وخاکر[۸۳]

مسجد میں اپنے گاؤں کے حافظ اکرم صاحب، اور میرے دو بہانجون کے استاد حفظ

---

۸۳ ترجمہ

جناب حافظ اسلم صاحب سے ملاقات ہوئی.

مولانا عثمان صاحب قاسمی

میں اپنے بھائی اجمل اور اپنے بہنوئی مولانا یوسف کے ساتھ ریاض العلوم کے سینیر استاد مولانا عثمان صاحب قاسمی کے گھر ان کی دعوت پر ملنے گیا، عثمان صاحب مولانا عبد الحلیم صاحب کے نواسے، اور میرے والد صاحب کے استاد حافظ عمر صاحب کے صاحبزادے ہیں، میری اہلیہ حافظ عمر صاحب کی پھوپھی زاد بہن ہیں، عثمان صاحب مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں، جب میں ضیاء العلوم میں طالبعلم تھا اس وقت انہوں نے بہت کم عمری میں وہاں قرآن کا حفظ مکمل کر لیا تھا جس کا مدرسہ میں چرچا تھا، عثمان صاحب با صلاحیت عالم اور مدرسہ کے ممتاز اساتذہ میں سے ہیں، وسیع النظر اور وسیع القلب، ان کے صاحبزادے مولانا صفوان صاحب بمبئی کی ایک مسجد میں امام ومدرس ہیں، ذہین وحوصلہ مند عالم، اور بمبئی یونیورسٹی سے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے کوشاں.

میری بھتیجی کا عقیقہ

۲۷ جولائی کو میں گھر پر ہی رہا، آج میری نو زائیدہ بھتیجی (اجمل کی بیٹی) کا عقیقہ تھا، اور اس کی دعوت میں رشتہ دار اور گاؤں کے لوگ مدعو تھے ان سے ملاقات رہی، اور آج اچھا خاصا وقت اپنے گاؤں کے مدرسہ محمودیہ کی تنظیم نو میں صرف ہوا.

کامیابی کا راستہ

۲۸ جولائی کو جمعہ کا دن تھا، آج ہی شام کو چار بجے بمبئی جانے کے لئے نکلنا ہے، میں نے جمعہ کی نماز سے پہلے مسجد میں تقریر کی، جس میں اس پر زور دیا کہ صرف خواہشات سے کوئی تبدیلی نہیں آتی، اصلاح کا عمل محنت طلب ہے، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں کامیابی کا راستہ واضح کردیا ہے، جس پر ہم چلیں گے تو کامیاب ہوں گے، اللہ تعالی راستہ دکھاتا ہے اور مدد کرتا ہے لیکن چلنا ہمیں ہوگا.

بنارس روانگی

شام کو چار بجے اپنے بھائی اجمل اور مزمل وغیرہ کی معیت میں بنارس ایرپورٹ کے لئے روانہ ہوا اور چھ بجے تک ایرپورٹ پر پہنچ گیا، فلائٹ تقریبا آٹھ بجے تھی.

مولانا ازہر قاسمی

گاؤں میں قیام کے دوران اپنے گاؤں کے عالم دین مولانا عبد العزیز صاحب کے گھر گیا، مولانا کا کچھ مہینوں پہلے انتقال ہوا ہے، ان کے ایک صاحبزادے گھر پر تھے ان سے تعزیت کی، دوسرے صاحبزادہ مولانا ازہر قاسمی سے فون پر بات ہوئی، ازہر دلی ایرپورٹ پر مجھ سے ملنے بھی آئے تھے، ازہر ذہین، محنتی، با صلاحیت نوجوانون میں سے ہیں، اس وقت میرے گاؤں کے تمام نوجوان عالمون میں ازہر فائق ونمایاں ہیں، اور

جواہر لال یونیورسٹی دلی سے بی اے اور ایم اے کرنے کے بعد وہیں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں.

تبلیغی اجتماع

میرے گاؤں میں ایک ہفتہ سے بمبئی کی ایک تبلیغی جماعت آئی ہوئی تہی، ان کے بعض بیانات میں شرکت کی، ایک روز امیر جماعت نے مجھ سے کہا کہ میں ان کی جماعت کو کچھ نصیحت کروں، میں نے تبلیغی کام کی افادیت اور تبلیغی کام سے اپنے تعلق کا اظہار کرنے کے بعد عرض کیا کہ میں نے کئی روز سے آپ لوگوں کے بیانات سنے، ان بیانات میں ہر بات کی ابتدا "کہتے ہیں" سے کرتے ہیں، لیکن یہ نہیں بتاتے کہ کون کہتا ہے، جو باتیں آپ اس جملے سے شروع کرکے بیان کرتے ہیں ان میں کچھ صحیح حدیثیں ہیں، کچھ ضعیف، منکر اور موضوع، کچھ صحابہ کرام، تابعین یا دوسرے بزرگوں کے اقوال ھیں، ان میں سے ہر ایک کی تاثیر الگ ہے، اس لئے تقریر سے پہلے تہوڑا وقت صرف کرکے کتابوں کی طرف رجوع کریں، اور ہر قول کو اس کے قائل کی طرف منسوب کرنے کو کوشش کریں، اور اھل علم سے تحقیق کر کے صحیح اور ضعیف میں تمیز کریں، اور منکر و موضوع روایات سے اجتناب کریں، کیونکہ اس دین کی بنیاد سچائی پر ہے.

کسی بہی تحریک یا ادارہ کے لئے علم کی کمی بلکہ علم میں اضافہ کرنے سے اعراض اس

کے زوال کی علامت ہے، قرآن کریم میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم میں اضافہ کی ترغیب دی گئی ہے، جب علم ایک خاص سطح پر رک جائے تو ایمان و عمل میں تازگی ختم ہوجاتی ہے، اور دھیرے دھیرے دین روایت اور کلچر بن جاتا ہے، اور علم وہی نافع ہے جو صحیح ہو اور جس کا استعمال اس مقصد کے لئے ہو جس کے لئے اللہ تعالی نے اسے بنایا ہے.

بمبئی یونیورسٹی میں

۲۸ جولائی کو شام آٹھ بجے کی فلائٹ سے بنارس ایرپورٹ سے بمبئی کے لئی روانہ ہوا، بمبئی میرے لئے نیا نہیں ہے، میری فیملی کا بمبئی اور بھیونڈی دونوں سے بہت پرانا تعلق ہے، میں بچپن سے یہان آتا جاتا رھا، ایکبار بمبئی میں میں نے کئی مہینّے قیام کیا، بمبئی میں طویل قیام کے باوجود بھی بمبئی کا نہ ھوسکا:

نہ چھوٹا دریار حسرت نہ چھوٹا

بہت ہم نے چاہا بنیں کانپوری

عمران سعید ندوی صاحب

بمبئی میں میرے محسن و مشفق رہے ہیں برادر مکرم عمران سعید ندوی صاحب، جو اصلا پرتابگڑھ کے رھنے والے ہیں، والد صاحب نے بھیونڈی میں قیام کیا، اور خود بمبئی میں سکونت اختیار کرلی، سنہ ۱۹۷۹ میں ندوہ سے فارغ ہوئے، ندوہ سے جو بھی بمبئی آتا اس کا ہر ممکن تعاون کرتے، خاص طور سے میرا بہت خیال کیا، میں ان کے گھر پر بے تکلفی سے آتا جاتا تھا، ھمیشہ محبت و شفقت سے پیش آئے، عبد اللہ بن جعفر کے متعلق کہے گئے اس شعر کو عمران سعید صاحب کی نذر کرتا ہوں:

إنك يا بن جعفر نعم الفتى

ونعم مأوى طارق إذا أتى

ورب ضيف طرق الحي سرى

صادف زادا وحديثا ما اشتهى

مزمل حسین ندوی

بمبئ کی دوسری شخصیت جس کے ساتھ مہینّون اٹھنا بیٹھنا رہا مہاراشٹر کے رہنے والے مزمل حسین ندوی ہیں، ندوہ سے سنہ ۱۹۸۷ میں فارغ ہوئے، قسمت نگر مسجد کرلا میں امام وخطیب ہیں، اور ابنائے ندوہ بمبئ کے جنرل سکریٹری، مجھ سے جونیر ہیں، خوش اخلاق ومتواضع، میری بے تکلفی کے با وجود ھمیشہ میرا احترام کرتے رہے، ایسے مخلص دوست وساتھی دنیا میں عنقاء ہیں:

مدتین گزرین تری یاد بھی آئی نہ ھمین

اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

بمبئ یونیورسٹی میں پروگرام

بمبئ کے اس سفر میں میرا اھم پروگرام بمبئ یونیورسٹی میں "علم حدیث میں خواتین کا حصہ" کے موضوع پر ہے، پروگرام کی روح روان ہیں عظمی باجی جنھوں نے اسے کامیاب بنانے کے لئے تقریبا دو مہینّے سے ایکپوری ٹیم متحرک کردی ہے، جو ایک انقلاب آفرین مشن کو انجام دینے کے جذبہ سے اس میں دل وجان سے لگی ہوئی ہے، عظمی

باجی نے عورتوں کو ان کے دینی، تعلیمی ومعاشرتی حقوق دلانے اور عورتوں کو ان کا اسلامی مقام واحترام واپس دلانے کی جو جد وجہد شروع کی ہے اس کے لئے وہ مبارکباد کی مستحق ہیں. بمبئی کی رعنائیون اور بمبئی کے پروگرام کی اثر انگیز دلفریبیون کے خیالون میں گم ایرپورٹ پر پہنچا:

اف رے تخیل تیری لطف پاشیان:
نثار بمبئی کن ہر متاع کہنہ ونو را
طراز مسند جمشید وفرتاج خسرو را

سلمان غازی صاحب

بمبئی ایرپورٹ پر عظمی باجی کے شوہر محترم جناب سلمان غازی صاحب اور مولانا عارف صاحب قاسمی میرے استقبال کے لئے موجود تھے، سلمان غازی صاحب سے میری پرانی شناسائی ہے، انہوں نے ھندوستان انٹرنیشنل اقرأ فاؤنڈیشن کی ذمہ داری سنبھالی ہے، وہ انگلینڈ کئی بار تشریف لاچکے ہیں، اور آکسفورڈ میں میرے مکان پر بہی ایکدوبار مجھے عزت بخشی ہے، متحرک، سنجیدہ اور حوصلہ مند، اپنی جد وجہد میں نوجوانون سے زیادہ جوان اور سرفروشون سے زیادہ سرفروش، انہوں نے بمبئی سنٹرل کے ایک ھوٹل میں میرے قیام کا نظم کیا تھا، تقریبا گیارہ بجے ہم ھوٹل میں پہنچے، صبح دس بجے کی قریب ملنے کا وعدہ کرکے وہ اپنی رھائش پر تشریف لے گئے، میں نے

مغرب اور عشاء کی نماز قصرا و جمعا پڑھی، اور سونے کے لئے لیٹ گیا.

(نظریہ تہذیب) از محمد طارق غازی صاحب

صبح اٹھکر غسل کیا، اور فجر کی نماز ادا کی، میرے پاس بہت وقت تھا، مجھے یاد آیا کہ رات سلمان بھائی نے مجھے دو کتابیں دی تہیں، سوچا انہیں کی ورق گردانی کرون، ایک کتاب ہے (نظریہ تہذیب) جو ان کے بھائی جناب محمد طارق غازی صاحب کی تصنیف کردہ ہے، طارق صاحب امم سٹڈیز ھاؤس، ٹورانٹو، کینڈا کے ڈائرکٹر ہیں، ۷۵۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب قرآن کریم کی روشنی میں تہذیب کا مفہوم متعین کرتی ہے، اور قرآنی تعلیمات کی رھنمائی میں مختلف ادوار کی تہذیبون کا تجزیہ پیش کرتی ہے، یہ کتاب مصنف کی چالیس سالہ سوچ اور مطالعہ کا ثمر ہے، سرورق پر ان کا یہ حکیمانہ جملہ شاید ان کی تحقیق کا لب لباب ہے:

"مادی علوم کو روحانی علوم کے تابع نہ رکھا جائے تو بہاری بہرکم تہذیبین بڑی طاقتور قوموں کی خودکشی کا باعث بن جاتی ہیں".

(چھاؤں تلے) از شہناز کنول غازی صاحبہ

دوسری کتاب سلمان غازی صاحب کی بہن شہناز کنول غازی صاحبہ کی (چھاؤن تلے) ہے، جو ان کے اپریل سنہ ۲۰۱۴ سے فروری سنہ ۲۰۱۷ تک کے سفرون کی داستان ہے، شہناز باجی کا تصنیفی ذوق اچھا ہے، اور قوت مشاہدہ تیز ہے جو ایک سفرنامہ کا

لازمہ ہے، گزشتہ سال اپنے بھائی سلمان غازی صاحبہ کے ساتھ میرے گھر آکسفورڈ تشریف لائی تھیں، اس سفرنامہ میں ان کے سفر آکسفورڈ کا بھی تفصیلی تذکرہ ہے، اور میرے بارے میں ان کا بیان ان کی شریفانہ ھمت افزائی کا مظہر، شہناز باجی کی کئی کتابیں منظر عام پر آکر قارئین سے خراج عقیدت وصول کر چکی ہیں، اس سفرنامہ کے شروع میں ان کی یہ بات میرے دل میں پیوست ھوگئی:

"میں سفر اس لئے نہیں کرتی کہ سفرنامہ لکھوں یا روداد جہان سناؤں، میں کیا میری بساط کیا، بس ھوتا یہ ہے کہ اپنی نظر سے جو کچھ دیکھتی ہوں جو محسوس کرتی ہوں وہ لکھ دیتی ہوں"[٨٤]

اس سفرنامہ میں طیبہ باجی کا جس محبت وخلوص سے ذکر ہے وہ قابل رشک ہے، اور دونوں کی دوستی اور روحانی وقلبی تعلق کا غماز، تین ھفتے مسقط میں طیبہ باجی کے پاس گزارنے کے بعد جب رخصتی کا وقت آیا اس کے متعلق شہناز باجی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس قدر لطیف، نازک اور غم انگیز منظر کشی ہے کہ ان کی نثر شاعری بن گئی ہے: شیوہ و انداز اینان را نگر.

"میں بیس بائیس روز طیبہ کے پاس رہی، وقت کیسے گزرا پتہ ھی نہیں چلا، ان

٨٤چھاؤں تلے ص ١٦

کا تعلق اور محبت روح کو تازہ دم رکھتے ہیں، آج صبح سے میں گزرے لمحون میں ہوں، محبتون سے سجے وہ لمحے، وہ خواب لمحے عجیب لمحے، وہ چاند تارے، وہ گل نظارے. طیبہ بہی جذباتی ہو رہی ہیں، صبح سے دوپہر ہوئی پہر شام اور اب رات کے کہانے کا وقت ہے، اگر چہ کہانے پر اہتمام وہی ہے مگر کہانے کو طبیعت نہیں چاہ رہی ہے، حیات میان ہمارے جذبات کو سمجھ رہے ہیں وہ ماحول کو شگفتہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں. نو بجے ہم ایرپورٹ کے لئے نکلے، میں طیبہ کی طرف نہیں دیکھتی ہوں بس گلے لگار کر گاڑی میں بیٹھ جاتی ہوں، ایرپورٹ پہنچے تو طیبہ کا فون آگیا آنسوؤن سے بہیگی ہوئی آواز نے میری آنکھوں کو نم کردیا، ہم ایرپورٹ کے لئے نکلے تھے تو طیبہ بے اختیار ہوگئی تہیں، اور میں نے اپننے آنسو پتہ نہیں کب صاف کئے"[۸۵].

کتنے پاکیزہ ہیں یہ جذبات:

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

اس مادی دنیا میں محبت کی یہ قدرین ناپید ہوتی جا رہی ہیں، اور اس کا جو نقصان

۸۵چھاؤں تلے ص ۷۲ اور ۷۲

انسانیت کو بھگتنا پڑ رہا ہے اس کے اثرات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، سائنس وٹکنالوجی کی ترقی نے ہماری فتوحات کا پرچم تو لہرادیا ہے، لیکن اس کے نتیجہ میں نازک ومعصوم انسانی جذبات وروحانی احساسات کو کھو کر ہم کون سی مخلوق بنتے جا رہے ہیں ھمکو اس کا اندازہ ہی نہیں.

اس سفرنامہ کی ہر سطر پڑھنے کی ہے، میں اس میں سے طیبہ باجی کے شوہر نامدار حیات بھائی کے متعلق ان کا ایک مشاہدہ نقل کرتا ہوں شاید اس سے ھمین کچھ فائدہ ہو:

"حیات میاں سے ملکر اندازہ ہوا کہ بہت ڈسپلن کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں، وقت پر سارے کام اوقات کار کے مطابق، وقت کی پابندی مجھے بہی پسند ہے، اس طرح ہر کام درست طریقے پر ھوتا ہے، ایک بار جب کسی دور دراز علاقے میں قلعہ اور محلات دکھانے لے جا رہے تھے تو رات میں فرمایا "شہناز آپا صبح ٹھیک سات بجے آپ لوگ نیچے پارکنگ میں آجائیے گا"، اور جب صبح ٹھیک سات بجنے میں تین منٹ قبل طیبہ اور میں پارکنگ میں پہنچے تو حیات میاں ہمارے منتظر تھے"[۸۶].

درس نظامی کی کتابوں کی جدید طباعت

---

۸۶ چھاؤں تلے ص ۲۰

دس بجے کے قریب سلمان بھائی میرے ہوٹل کے کمرے میں تشریف لائے، تھوڑی دیر ہم وہیں بات کرتے رہے، پھر گیارہ بجے کے قریب ماہیم میں واقع اقرأ کے آفس کے لئے روانہ ہوگئے، ساحل سمندر کے راستے سے ہمارا گزر ہوا، بارہ بجے کے قریب ہم لوگ اقرأ کے آفس پہنچے، وہیں پر ظہر وعصر کی نماز قصرا وجمعا پڑھی، اور لنچ کیا، اقرأ نے درس نظامی کی کتابوں کی جدید طباعت شروع کی ہے، مجھے کچھ کتابیں، میزان، منشعب اور پنج گنج وغیرہ دکھائین، ان کتابوں کی طباعت میں صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے، اور طباعت خوبصورت دیدہ زیب ہے.

بمبئی یونیورسٹی پہنچنا

دو بجے کے قریب ہم بمبئی یونیورسٹی پہنچے، گاڑی سے اترتے ہی لقمان ندوی صاحب اور مزمل ندوی نظر آئے، اتنی مدت کے بعد لقمان صاحب کو پہلی بار دیکھا، خندان وفرحان، مزمل صاحب سے تقریبا تیس سال بعد ملاقات ہوئی، اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی مزمل صاحب کے خط وخال نہیں بدلے، میرے استعجاب پر لقمان صاحب نے کہا کہ بمبئی میں دو ندوی ایسے ہیں جن پر لیل ونہار کی گردشین اثر انداز نہیں ہوسکین، ایک عمران سعید ندوی، اور دوسرے مزمل صاحب، اس پروگرام میں شرکت کے لئی بہت سے ندوی اور دوسرے علماء آئے ہوئے تھے، ان میں عمران صدیقی ندوی اور صفوان قاسمی میرے ہم وطن ہیں، اور بہت اپنائیت سے ملے،

جمشید ندوی

اسی دوران جمشید ندوی بھی آ گئے، وہ اس یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے صدر ہیں، زمانہ طالبعلمی سے اپنے ساتھیون میں ممتاز تھے، میرے شاگرد ہیں، اور میری نگرانی میں رہ چکے ہیں.

الکیش دینش مودی ہال

ہم یونیورسٹی کے الکیش دینش مودی ہال کی طرف بڑھے جہان یہ پروگرام منعقد ہو رہا ہے، ہال علماء اور جدید تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا تھا، ان کے چہرون سے مسرت وشادمانی پھوٹ رہی تھی، اور ان کے انداز میں ولولہ اور جوش نمایاں تھا، عظمی باجی نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا، ان کے معاونین کی نقل وحرکت قابل دید تھی، ان میں جناب مجتبی فاروق، ڈاکٹر محمد شاہد سابق صدر شعبہ عربی، رخشیدہ سیدہ، پروفیسر حنا فاطمہ سید، ڈاکٹر غزالہ شیخ اور عظمی سید خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان کے بھاگنے دوڑنے، ایک دوسرے کو استقبال کرنے، اور لوگوں کے استفسار کا جواب دینے کا پاکیزہ وپر شباب انداز حاضرین کی بیخودی ووارفتگی کا ترانہ خیر مقدم گا رہا تھا، یہ بے آواز خیر مقدم اس سے کم نہیں تھا جس میں سپاسناموں اور استقبالیہ منظوم ومنثور کلام کی جھنکار ہو:

جمع کرکے مرے سامان نوا سنجی کو

بربط خامشی عالم امکان کردے

پروفیسر اختر الواسع صاحب وائس چانسلر مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور کی صدارت میں پروگرام شروع ہوا، چیف گیسٹ ڈاکٹر ظہیر قاضی صاحب صدر انجمن اسلام تھے، عظمی باجی اور رخشیدہ سیدہ کے تعارفی و استقبالیہ کلمات کے بعد میں نے تقریبا ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کی، جس کا خلاصہ ہے:

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گران کا

عورتوں کا مسجدوں میں آنا

آج ہندوستاں میں بلکہ دنیا کے بہت سے حصون میں عورتوں کا مسجدون میں آنا ممنوع ہے، یا کم ازکم مسجدون میں ان کے آنے کی ھمت شکنی کی جاتی ہے، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر صدیوں تک عام دستور رھا ہے کہ عورتین نہ یہ کہ مسجدون میں با جماعت نماز ادا کرتی تھیں اور اعتکاف کرتی تھیں،

عورتوں کے دینی درس

بلکہ دروس میں شریک ہوتی تھیں اور درس دیتی تھیں، شام عراق، مصر اور عالم اسلام کی دوسری مسجدون میں جہان مرد پڑھتے پڑھاتے تھے وہیں عورتین بھی پڑھتی پڑھاتی تھیں، اسلام میں سب سے زیادہ مقدس تین مسجدین ہیں: مسجد حرام، مسجد نبوی اور

مسجد اقصی، ان تینون میں عورتین درس دیتی تہیں، اور ان کے دروس میں عورتین شریک ہوتی تہیں، اور مرد بہی شریک ہوتے تھے، بلکہ مرد شرکاء کی تعداد زیادہ ہوتی تہی، ان میں علماء، محدثین، فقہاء اور قضاۃ ہوتے تھے، مسجد حرام میں کئی عورتوں نے حطیم میں درس دیا ہے، مسجد نبوی میں کئی عورتوں کے سامنے حدیثون کا سماع ہوا ہے، ان میں ایک خاتون فاطمہ البطائحیہ (متوفاۃ سنہ ۷۱۱ھ) ہیں جو امام ذہبی، امام سبکی وغیرہ کی شیخہ ہیں، ان کی مجلس درس قبر اطہر کے پاس لگتی تہی، وہ قبر اطہر کے سرہانے بیٹھتی تہیں، جب تہک جاتی تہیں تو قبر مبارک کی دیوار سے ٹیک لگاتی تہیں، اور مجلس کے آخر میں تمام حاضرین کے لئے اپنے ہاتہ سے اجازت لکہتی تہیں، اسی طرح مسجد اقصی میں ام الدرداء رحمہا اللہ تعالی سے لیکر بعد کی صدیوں تک عورتوں کے دروس کثرت سے ہوتے تھے، اور سامعین کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہوتی تہی.

ان تینون مسجدون کے علاوہ دوسری مسجدون، مدرسوں اور کالجون میں ان کے دروس ہوتے تھے، دمشق میں جامع بنی امیہ میں اپنے عہد کا سب سے بڑا محدث قبۃ النسر کے نیچے بیٹھ کر درس حدیث دیتا، عائشہ بنت ابن عبد الہادی (ت ۸۱۴ھ) کا بہی تقرر وہاں درس حدیث کے لئے ہوا تھا، اور انہیں باقاعدہ تنخواہ ملتی تہی، ان کے دروس میں شریک ہونے والوں میں سے اس عہد کے دو سب سے بڑے ماہر حدیث تھے، ایک حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی، اور دوسرے حافظ ابن حجر العسقلانی، حافظ

ابن حجر نے عائشہ سے تقریبا چھوٹی بڑی حدیث کی ستر کتابیں پڑہیں.
صحابیات، تابعیات اور بعد کی صدیوں میں بہت سی عورتین اپنے حفظ سے حدیثیں پڑھاتی تہیں، بہت سی حدیثیں صرف عورتوں کی روایت سے محفوظ ہیں، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور دوسرے مسلکون کے کتنے مسائل ایسے ہیں جو تنہا عورتوں کی روایتون پر مبنی ہیں، امام ابو عبد اللہ الحاکم النیسابوری فرماتے ہیں کہ اسلام کے ایک چوتہائی احکام کی بنیاد عورتوں کی روایتون پر ہے، دنیا میں کوئی مذہب نہیں جس کے تشکیلی دور میں عورتوں نے یہ کردار ادا کیا ہو.

عورتوں کے حدیث میں کارنامے

ایک اہم نکتہ یہ ہے اور جسے عام کرنا چاھئے کہ مردون میں سیکڑوں وہ لوگ ہیں جنھوں نے حدیثیں گڑھی ہیں اور حدیثون میں جھوٹ بولا ہے، جبکہ امام ذھبی وغیرہ جیسے مؤرخین وماھرین رجال کا بیان ہے کہ عورتوں میں کوئی ایسا نہیں جس پر حدیث میں جھوٹ بولنے کا الزام ہو، اور اس میں شک نہیں کہ عام طور سے عورتین صرف دین کے حرص اور خدا ورسول کی خوشنودی کے لئے حدیثیں پڑھتی پڑھاتی تہیں، فاطمۃ بنت المنجا التنوخیۃ (متوفاۃ سنہ ۷۱۴ھ) نے دمشق کی مسجدون اور مدرسوں میں بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث پڑھائین، بعد میں مصر کے امراء کی دعوت پر وہاں منتقل ہوگئین، اور بادشاہوں اور امراء کے محلون اور مسجدون اور مدرسوں میں

درس حدیث دیا، یہاں تک کہ جس دن ان کا انتقال ہوا وہ درس بخاری میں مشغول تھیں اور اس وقت ان کی عمر ۸۹ سال تھی، ان کا بخاری کا نسخہ ترکی کی ایک لائبریری میں اب تک محفوظ ہے.

حافظہ کریمہ مروزیہ

بخاری شریف سے عورتوں کے اشتغال کا حال یہ ہے کہ اس وقت تک بخاری شریف کا سب سے صحیح نسخہ ایک خاتون کا ہے، نسخہ یونینیہ جس کی طباعت کا اہتمام سلطان عبد الحمید ثانی نے قاھرہ سے کیا تھا اور جسے نسخہ سلطانیہ کہا جانے لگا وہ نسخہ ہے حافظہ کریمہ مروزیہ (متوفاۃ سنہ ۴۶۴ھ) کا، جن سے حافظ ابو بکر خطیب بغدادی، حافظ سمعانی وغیرہ نے بخاری پڑھی، یہ نسخہ زھیر ناصر کی تحقیق سے آج کل عام ہے،

عائشہ مقدسیہ کی علو سند

اسی طرح بخاری شریف کی عورتوں کی سند سب سے اونچی ہے، عام طور سے دیوبند، ندوہ اور دیگر مدرسوں کی سند میں امام بخاری تک بیس یا اس سے زائد واسطے ہوتے ہیں جبکہ عائشہ مقدسیہ کے واسطہ سے میرے اور امام بخاری کے درمیان صرف چودہ واسطے ہیں، امام بخاری کا انتقال سنہ ۲۵۶ھ میں ہوا اور اس وقت سنہ ۱۴۳۸ھ ہے، تقریبا بارہ سو سال کے عرصہ میں صرف چودہ واسطون کا ہونا غایت علو اسناد ہے.

محدثات عورتوں کی تعداد

شروع سے بڑے بڑے ائمہ حدیث وفقہ نے کثرت سے عورتوں سے حدیثون کی روایتیں کی ہیں، امام بخاری کے شیخ مسلم بن ابراہیم فراھیدی نے صرف ایک شہر بصرہ کی ستر عورتوں سے حدیث کی روایت کی، حافظ سمعانی نے اپنی ٦٨ شیخات کا ذکر کیا ہے، ابن عساکر نے اپنی معجم الشیوخ میں ٨٠ شیخات کے تراجم لکھے ہیں، اور اپنی مختلف کتابوں میں ان سے روایتیں کی ہیں، اسی طرح امام مزی، ابن تیمیہ، برزالی، ذھبی، عراقی، ابن حجر، سخاوی، سیوطی وغیرہ کی خواتین شیخات کی تعداد بہت زیادہ ہے، ابن النجار جنھوں نے خطیب بغدادی کی تاریخ پر ذیل لکھا ہے انہوں نے چھ سو مردوں اور چار سو عورتوں سے روایت کی.

فاطمہ الجوزدانیہ

حدیث کی بہت سی کتابیں اور بہت سے اجزاء اس وقت صرف عورتوں کی روایت سے باقی ہیں، چنانچہ امام طبرانی کی معجم کبیر جو پچیس جلدوں میں ہے فاطمہ الجوزدانیہ (متوفاۃ ٥٢٤ھ) کی روایت سے متداول ہے.

مشہور فقیہ خواتین

فقہ میں بھی عورتوں کا بڑا مقام تھا، امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے بہت سے امور میں

عورتوں کے فتووں پر عمل کیا، صحابیات کے بعد مشہور فقیہ خواتین میں عمرہ بنت عبد الرحمن، حفصہ بنت سیرین، معاذۃ العدویہ، أم الدرداء، فاطمہ بنت المنذر بن الزبیر وغیرہ کے نام نمایاں ہیں،

فاطمہ بنت علاء الدین سمرقندی

حنفی مذہب کی ایک اہم کتاب علاء الدین سمرقندی کی (تحفة الفقهاء) ہے، ان کی صاحبزادی نہ یہ کہ اس کتاب کی ماہر ترین بلکہ ان کو پوری کتاب زبانی یاد تھی، سمرقندی کے شاگردوں میں ایک علامہ کاسانی ہیں، جب کاسانی نے فقہ کی تعلیم مکمل کرلی تو اپنے استاد سے ان کی صاحبزادی فاطمہ کے ساتھ شادی کرنے کی خواھش ظاہر کی، سمرقندی نے کہا کہ میری بیٹی فقہ کی ماہر ہے اور تم اس کے مقام کو ابھی تک نہیں پہنچے، تم میری کتاب کی شرح لکھو، اگر وہ مجھے پسند آگئی تو میں تمہاری شادی اس سے کردون گا، چنانچہ کاسانی نے (بدائع الصنائع) کے نام سے یہ شرح مکمل کی، جو استاد کو پسند آئی اور انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کردی، مؤرخین کہتے ہیں: شرح تحفته وتزوج بنته، اس کے بعد حلب کے امیر نے کاسانی کو حلب کے ایک کالج میں پڑھانے کی دعوت دی، کاسانی وہاں پڑھانے گئے، ان کے شاگرد ابن العدیم الحلبی وغیرہ کہتے ہیں کہ کاسانی ہم لوگوں کو فقہ پڑھاتے اور ہم ان سے بحث کرتے، کبھی کبھی جب

انہیں جواب کا علم نہ ھوتا تو ہم سے کہتے تم لوگ انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں، اور جب آتے تو ہمارے سوال کا جواب لیکر آتے، ھمین بعد میں معلوم ہوا کہ کاسانی اپنی بیوی فاطمہ سے پوچھکر ھمین بتاتے ہیں، کاسانی کی بدائع الصنائع کے بارے میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ یہ حنفی مذھب کی سب سے بہتر کتاب ہے، حنفی مذھب کی سب سے اچھی کتاب صرف ایک عورت سے شادی کرنے کے لئ لکھی گئی، اور جس شخص نے یہ کتاب لکھی اس کی بیوی فقہ کی اس سے بڑی عالمہ تھی.

حضرت عمر پر الزام

میری تقریر بہت مفصل تھی، جنکو مزید تفصیل درکار ہے وہ میری کتاب (المحدثات) کی طرف رجوع کرسکتے ہیں، تقریر کے آخر میں بہت سے سوالات آئے، میں یہان ایک سوال کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، ایک صاحب نے معترضانہ انداز میں کچھ غصہ میں سوال کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتین مسجد میں جاتی تھیں، لیکن بعد میں حضرت عمر رضي الله عنه نے منع کردیا، میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت عمر رضي الله عنه کے خلاف جھوٹا الزام اور افتراء ہے:

خفا ابھی سے نہ ہو مدعا سنو تو سہی
قبول کرنا نہ کرنا بھلا سنو تو سہی

رقیبون کی تو شب و روز سنتے ہو باتین
ہماری بھی کبھی ای مہ لقا سنو تو سہی

صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی بندیون کو مسجدون میں آنے سی مت روکو، حضرت عمر کی بیوی عاتکہ ان کے پیچھے مسجد نبوی میں نماز پڑھتی تہیں، یہان تک کہ جس دن حضرت عمر کو شہید کیا گیا اس وقت بھی وہ ان کے پیچھے نماز میں تہیں، حضرت عمر کے زمانہ میں عورتین جمعہ کے خطبہ میں اور مسجد سے نکلنے کے بعد ان سے سوال کرتی تہیں، حضرت عمر نے ایک خاتون شفاء بنت عبد اللہ العدویہ کو مدینے کے بازار کا نگران متعین کیا تھا، حضرت عمر پر یہ الزام تاریخ سے حقائق سے چشم پوشی اور جہالت پر قناعت کی دلیل ہے:

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

پھر نماز میں تو کوئی اختلاط نہیں ہوتا، طواف جس میں اختلاط ہے وہ آج تک جاری ہے، اس سے بڑا اختلاط دنیا کے کسی اجتماع میں نہیں، مزید بران مسجد میں نماز پڑھنے میں جو سکون و اطمینان ہے گھر میں نہیں، حاص طور سے آج کل جبکہ ٹی وے وغیرہ کی وجہ سے گھر فتنون کا مرکز بن گئے ہیں، ان فتنون سے نکلکر مسجدون میں نماز پڑھنے سے زیادہ خشوع اور کہان حاصل ہوگا.

جلسہ کے آخر میں صدر جلسہ اختر الواسع صاحب نے ایک پر مغز تقریر کی، اور عظمی باجی نے سارے مہمانون کا شکریہ ادا کیا، اس پروگرام کا بہت مثبت اثر ہوا، لکچر کے بعد بہت سے مرد اور عورتوں نے مجھ سے ملکر اپنی بے انتہا خوشی کا اظہار کیا، اور عظمی باجی کے بقول ابھی تک اس پروگرام کا چرچا ہے.

بھیونڈی پہونچنا

یہاں سے میں اپنے چچا زاد بھائی کی گاڑی پر بھیونڈی آگیا، گاڑی میں ان کے لڑکے معاذ اور بیٹی ماھو تھیں، جمشید ندوی بھیونڈی میں رھتے ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ آگئے، تقریبا نو بجے ہم لوگ بھیونڈی پہنچے، میرے بڑے والد حافظ عبد اللطیف صاحب ہمارا انتظار کر رہے تھے، سب سے ملاقات کی، کھانا کھایا، میرے چچا زاد بھائی محمد ارشد اور ابو الکلام ندوی وغیرہ بھی یہان مجھ سے ملنے آئے،

مولانا الیاس بھٹکلی

اس دوران مولانا الیاس بھٹکلی کا فون آگیا، ان کی خواش تھی کہ میں کچھ دیر کے لئے بھٹکل آجاؤں، وقت میں اتنی گنجائش نہیں تھی، آئندہ آنے کا وعدہ کرکے معذرت کر لی، الیاس صاحب بہت سرگرم ندوی ہیں، وہ کئی تعلیمی ادارے و تحقیقی مراکز چلا رہے ہیں، ان کی بہت سی تصنیفات بھی ہیں، میں نے ان کی کتاب (ٹیپو سلطان شہید) پڑھی ہے، لکھنے کا بہت اچھا سلیقہ ہے، اس وقت وہ صرف بھٹکل میں نہیں

بلکہ پورے ھندوستان میں نمایاں و متحرک ترین نوجوان عالم ہیں.

بمبئی میں دوسرا دن

آج بمبئی میں میرے دو پروگرام ہیں، ایک شام کو پانچ بجے تاج ہوٹل باندرہ میں، دوسرا سات بجے ساحل ہوٹل بمبئی سنٹرل میں، پہلے پروگرام کے لئے جناب اویس سریش والا صاحب نے اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر لکھنؤ آکر مجھ سے وقت لیا تھا، اویس صاحب مجھے لینے کی لئے تقریبا تین بجے بھیونڈی آگئے، میرے ساتھ جمشید ندوی بھی تھے، میں اور اویس صاحب گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ایک ساتھ بیٹھے، اویس صاحب کے کئی سوالات تھے ان کا جواب دیتا رہا، اور آج کے پروگرام کی نوعیت معلوم کرتا رہا،

بمبئی کا دلکش نظارہ

جب ہم بمبئی میں داخل ہوئے تو بہت سی نئی نئی فلکبوس عمارتیں نظر آئیں، جو جدید ترقی کی ایک علامت ہے، ہماری گاڑی چلتی رہی اور ساحل سمندر پر واقع بعض مقامات کے قدرتی مناظر اور انسانی تخلیق کے مظاہر کا حسن امتزاج اور دلآویز توازن ایسی کشش پیدا کرتا کہ دل چاہتا کہ اسے رکر کر دیکھیں، بلکہ یہیں ٹھہر جائیں، اور یہ شہر تو آج سے سو سال بلکہ اس سے پہلے بھی جاذب نظر، ہوش ربا اور غارت گر عقل وخرد تھا، ایک شاعر نے لکھنؤ کے بارے میں کہا تھا:

سنا رضوان بھی جس کا خوشہ چین ہے
وہ بے شک لکھنؤ کی سرزمین ہے

عطیہ فیضی اور شبلی

مگر بمبئی کی رعنائیاں و سحر انگیزیاں ایسی کہ اس مثال ارم و رشکِ جنان لکھنؤ کی دید بھی عطیہ فیضی کو اپنی طرف مائل نہ کر سکی، اور شبلی کو کہنا پڑا:

ہوائے روح پرور بھی یہاں کی نشہ آور ہے
یہاں فکر مے و جام سبو ہوگی تو کیوں ہوگی
کہاں یہ لطف یہ سبزہ یہ منظر یہ بہارستاں
عطیہ تم کو یاد لکھنؤ ہوگی تو کیوں ہوگی

عطیہ اور اس کی بہن زہراء سے شبلی کی تعلقات کی کیا نوعیت تھی، اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، کسی نے شبلی کو دونوں کی محبت کا گرفتار بتایا، کسی نے انہیں صرف عطیہ کا پرستار بتایا، لیکن اس سلسلہ میں سب سے سچی بات شاید نیاز فتحپوری کی ہے:

"سلاست اور روانی مولانا کی تحریرات کا طرہ امتیاز ہے، اور انہیں اردو زبان پر اتنی قدرت حاصل ہے کہ ادائے مطالب کے لئے جو صورت چاہیں اختیار کر لیں اور کانون کو بار نہ معلوم ہو، میں مولانا کے ان خطوط اور خصوصیت سے ان خطوط کو جو انہوں نے عطیہ فیضی کو لکھے ہیں اس معیار پر پورا اترتا

نہیں پاتا، اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ مولانا کا سمند قلم قدم قدم پر لڑکھڑا جاتا ہے، زور بیان کا تو کیا ذکر سلاست اور روانی تک ناپید ہیں، اکھڑے اکھڑے فقرے ہیں ... زہراء فیضی کے نام جو خطوط ہیں ان کا بھی تقریبا وہی حال ہے". "اور کوئی عجب نہیں کہ کچھ عرصہ بعد زبان کا نقاد شبلی کی طرف ان خطوط کے انتساب کو وہی وقعت دے جو اس وقت سعدی کی طرف کریما جیسی بے مایہ کتاب کے انتساب کو حاصل ہے". "ہماری دانست میں وہ لوگ راستی پر نہیں ہیں جنہوں نے ان خطوط کی بنا پر مولانا کے اس تعلق کو عشق و محبت کے نام سے سرفراز فرمایا". "اس میں شبہہ نہیں کہ ان خطوط کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کو اردو زبان سے بالکل معمولی واقفیت ہے اور مولانا انہیں اردو زبان سیکھنے کی طرف یون مائل کر رہے ہیں جس طرح مائیں انگلی پکڑ کر بچوں کو قدم قدم چلنا سکھاتی ہیں ....".

شبلی کا تعلق ان سے وہی تھا جو ایک استاد کا کسی شاگرد سے ہوتا ہے، وہ ان کی ترقی پر خوش ہوتے اور اپنے دوستوں سے اس کا اظہار بھی کرتے، چنانچہ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اس اثناء میں زہراء اور عطیہ فیضی کے بہت سے خطوط آئے، اور بعض میں علمی مضامین بھی تھے، ان ظالمون کی اردو نویسی پر مجھکو تعجب ہوتا

ہے"[۸۷].

بمبئی کی جس ھوائے روح پرور وفضائے نشہ آور کا شبلی نے تذکرہ کیا ہے، وہ صرف ساحل بمبئی پر ہے، اور میں اس وقت بمبئی کے ایک ساحلی حصہ باندرہ میں داخل ہو رہا تھا، یہ بمبئی کے ترقی یافتہ اور مہنگے علاقوں میں سے ہے، اس کے پر کیف مناظر، وذرات حسن جو یہان کے باغات اور سڑکون میں نظر آرہے تھے اس سرزمین حسن وعشق وبلدہ شعر وموسیقی کی پرانی یادتازہ کرنے کے لئی کافی تھے،

ظفر سریش والا

یہاں کی ایک جدید عمارت کے سامنے ہماری گاڑی رکی، اس کے ایک فلیٹ میں اویس صاحب کے بہائی جناب ظفر سریش والا رہتے ہیں، ظفر صاحب مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کے چانسلر ہیں، ان سے میری شناسائی بیس سال پرانی ہے، آج بہت دنوں کے بعد ظفر صاحب سے ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ چائے پی، وہ ابھی کسی انٹرویو سے فارغ ہوئے تھے اور اس کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے،

ایک الگ طبقے سے گفتگو

اس کے بعد وہ آج کے پروگرام کی تیاری کے لئے چلے گئی، پروگرام باندرہ میں واقع

---

۸۷ مکاتیب شبلی ج ۱ ص ۲۱۶

تاج ہوٹل کے کلب (The Chambers) میں تھا، ظفر صاحب کے فلم اسٹار سلمان خان اور اس طبقہ کے لوگوں سے تعلقات ہیں، ظفر صاحب نے سلمان خان کے خاندان اور کلب کے دوسرے اھم ممبران کے لئے یہ پروگرام منعقد کیا تھا، اس کے شرکاء میں سلمان خان کے والد جناب سلیم خان صاحب، سلمان خان کی بہن، ان کے شوہر اور بیٹی، بامبے اسٹاک ایکسچینج کے چیف اکزیکیوٹیو مسٹر اور مسز اشیش چوھان، نیتوں ویلوس لمیٹڈ کے مینیجنگ ڈائرکٹر مسٹر شریف اینڈ فیملی، راھیجا بلڈرس کے قانونی مشیر مسٹر راوال اینڈ فیملی، سوشل ایکٹیوسٹ مسز رام سنگھ رگھوانسی، انوسٹمنٹ بینکر ارشد واھدنا کے بھائی الطاف واھدنا اور ان کی بیگم اور بیٹی، انٹرنیشنل بزنس میں مسٹر طارق گور ان کی بیگم اور بیٹیاں، مسٹر وجیہ الدین ٹائمز آف انڈیا کے سینیر نامہ نگار تھے.

اس کلب کے دستور کی رو سے ہم چپل پہن کر وہاں نہیں جاسکتے تھے، اس لئے ہمکو جوتے پہننے پڑے، کلب ھوٹل کی آخری منزل پر واقع ہے، میں نے حاضرین کے سامنے اسلام کی تعلیمات خاص طور سے عورتوں کے تعلق سے واضح کین، گفتگو انگلش میں تہی، حاضرین میری گفتگو بڑی توجہ سے سن رہے تھے، درمیان میں مزید وضاحت کے لئے استفسار بہی کرتے، آخر میں سوالات وجوابات کا سلسلہ تھا، میں نے ہر سوال کا سکون کے ساتہ دلائل کی روشنی میں مفصل جواب دینے کی کوشش

کی، محسوس ہوا کہ سامعین جوابات سے مطمئن تھے اور میرے خیالات سے ان کی ہم آھنگی بڑھتی جا رہی تھی، حاضرین میں مرد اور عورتین، اور ہندو اور مسلمان دونوں تھے.

علماء کو معاشرہ کے ہر طبقہ کے پاس جاکر اسلام کے پیغام اور اس کی تعلیمات واضح کرنا چاھئے، لوگوں کے اشکالات، شکوک وشبہات سننا چاھئے، یہ پیغمبرون اور تمام داعیون کی سنت ہے، ھندوستان میں مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے طوائفوں کے پاس جاکر انہیں بہی خدا کا پیغام پہنچایا، آج کل پاکستان میں مولانا طارق جمیل صاحب اسی سنت راشدہ کی پیروی کر رہے ہیں، قوموں کی اصلاح فتوون اور دار القضاء کے قیام سے نہیں ہوتی، اس کے لئے مخلصانہ، بے تابانہ انتھک دعوتی اصلاحی تعلیمی اور تربیتی کوششوں کی ضرورت ہے، یہ کوششیں صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہونی چاہئیں، بلکہ ان کا دائرہ غیر مسلموں تک وسیع کرنا چاھئے، اس طرح کی نشستون سے نہ صرف یہ کہ غلط فہمیان دور ہوں گی، بلکہ اسلام کو قریب سے سمجھنے اور اس کا پیغام عام کرنے میں مدد ملے گی، اس کا تجربہ مجھے مغرب میں بہی ہوا ہے، جس کی وجہ سے اس کی افادیت مجھ پر روز بروز واضح ہوتی جا رہی ہے.

اس پروگرام میں طے شدہ وقت سے زیادہ صرف ہوا،

ابنائے ندوہ کا پروگرام

جس کی وجہ سے سنٹرل بمبئی کے ساحل ھوٹل میں منعقد ابنائے ندوہ کے پروگرام میں آٹھ بجے کے بعد پہنچنا ہوا، ھوٹل کے پاس گاڑی رکی تو بہت سے ندوی سامنے چلتے پھرتے نظر آئے، لقمان صاحب نے مجھے اس پروگرام کی تفصیل نہیں بتائی تھی، میرے ذھن میں تھا کہ یہ ندویون سے تعارف کی ایک نشست ہے، لیکن یہان کچھ اور ہی سماں تھا، اس پر جشن کا دھوکہ ہورہا تھا، پروگرام ھوٹل کی بالائی منزل پر تھا، جیسے ھی اوپر جانے کی لئے ہم لوگ لفٹ کے پاس پہنچے عمران سعید صاحب نیچے اترتے دکھائی دیئے، معلوم ہوا کہ انہوں نے میرے استقبال کے لئے یہ زحمت کی ہے، جب میں پروگرام ہال میں پہنچا تو ایک مجلس دیکھی جو میرے قیاسات وتصورات سے ماوراء تھی، ایک خیر مقدم تھا جو خواب وخیال سے باہر تھا، آج معلوم ہوا کہ بمبئی خواب وخیال، اور ظنون واوھام کی دنیا ہے، یہ ایک سحر انگیز وفتنہ آفرین عالم ہے، ایسا لگا کہ اس عروس البلاد، نزھت آباد حسن ونزاکت، کارگاہ حسن وجمال، وگہوارہ خوبی ولطافت کے ہر گوشہ سے اس کی رعنائیان اور دلفریبیان سمٹ کر یہان جمع ہو گئی ہیں، اسٹیج پر رونق افروز نورانی نفوس واصحاب علم وادب کے درمیان بیٹھا اور اس مجسمہ صدق وخلوص، پیکر صفا ومودت، مثال محبت وخلت اور ھیکل حسن اخلاق مجلس پر نگاہ ڈالی.

سارے شرکاء کا ذکر نام بنام کرنا تو شاید طولانی ہو اور باعث گرانی، چند نام ذکر کئے

جاتے ہیں: مولانا عمر ندوی صاحب سابق مہتمم مدرسہ رحمانیہ مدنپورہ، مولانا ابراہیم ندوی صاحب صدر بزم وسرپرست ابنائے ندوہ بمبئی، مولانا عمران سعید ندوی، مولانا ڈاکٹر محمد قاسم ندوی، مولانا مزمل حسین ندوی، مولانا احمد علی ندوی، مولانا عمران صدیقی ندوی، مولانا راشد اسعد ندوی، مولانا رشید احمد ندوی، مولانا عبد الرزاق ندوی، ابو حذیفہ اعظمی، ھارون افروز صاحب وغیرہ.

مولانا لقمان صاحب ندوی نے میرا تعارف پیش کیا، خوشی ومسرت ان کے ہر جملہ سے مترشح تھی، ان کے انداز و بیان اور لب ولہجہ سے وہ عقیدت ونیاز مندی عیان تھی جو ایک شاگرد کو اپنے استاد سے ہوسکتی ہے، شمیم ندوی صاحب نے خطبہ استقبالیہ اور شعیب ندوی صاحب نے سپاس نامہ پڑھکر سنایا، برادر مکرم مولانا عمران سعید ندوی صاحب نے مخلصانہ دیرینہ شفقتون کا اظہار فرمایا، مقررین محفل کی نوائے سامعہ نواز اور ان کے فصیحانہ وبلیغانہ مدحیہ کلمات میں، اور حاضرین کے شادان وفرحان اور ھمہ شوق چہرون پر اور رازہائے دل وا کرنے والی نگاہوں میں جو محبت کار فرما تھی اور جس خلوص کا غلبہ تھا میں اس سے متاثر ہوکر ان چہروں اور نقوش پر نظر دوڑاتا جو تھوڑی دیر کے لئے گویا میرے دماغ کے مالک بنے ہوئے تھے، مجھ پر ایک استغراق کی کیفیت طاری تھی، میں نہیں کہ سکتا کہ میں کتنی دیر تک اس کیفیت میں رہا.

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

میں نے ایک مختصر خطاب کیا جس میں سارے ندوی دوستوں کے خلوص و محبت کا شکریہ ادا کیا، اور اپنے بعض کاموں کا ایک تعارف پیش کیا.

اس کے بعد ہم لوگ ڈائننگ ہال میں گئے، وہی بصر افروز و سحر آفرین مجمع، مجھے ایسا لگا کہ کھانے کی میزوں پر بیٹھے ندوی احباب کسی مجازی لذت میں مستغرق ہیں، اس مجلس کے شباب کی رنگینیوں کا کچھ ٹھکانا نہ تھا:

اے رفیقان نو بہار آمد کنون دیوانہ ام.

ذرا افاقہ ہوا تو سوچا کہ اس قدر اکرام و اعزاز کہیں کوئی امتحان تو نہیں:

اے گل شوخ کہ مغرور بہ باران شدہ ای
خبرت نیست کہ درپی چہ خزانے داری[۸۸]

اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کی، خدا کی حمد و ثنا کی، میں سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالی کتنا ستار عیوب ہے، اس کی رحمتوں کی وسعتوں اور مہربانیوں کی گہرائیوں کو کون جاسکتا ہے، زبانیں اس کی نعمتون کے شکر سے عاجز، اور فصحاء وبلغاء واصحاب

---

۸۸ ترجمہ:

.بیان اس کی آیات کے سامنے مدھوش، مبھوت اور گونگے، یہ میرے ندوی دوست ہیں، جو مجھ سے دور رہتے ہیں، اور میں ان سے دور، نہ ھمین ایک دوسرے کی صحبت حاصل ہے اور نہ اسباب رفاقت یسر، انہیں اڑتے اڑاتے صرف میری اچھی باتین پہنچی ہیں، اور وہ بھی کتنے مبالغون اور ملمع سازیون کے ساتھ، ان کو میرے معائب ونقائص کا علم نہیں، میری کوتاہیاں اور خامیاں ان سے مخفی ہیں، کہیں میں حافظ کے اس شعر کا مصداق نہ بن جاؤں:

واعظان کاین جلوہ در محراب ومنبر می کنند
چون بہ خلوت می روند آن کار دیگر می کنند
مشکلے دارم ز دانشمند مجلس بازپرس
توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند
گوئیا باور نمی دارند روز داوری
کاین ھمہ قلب ودغل در کار داور می کنند[۸۹]

ودع الذين إذا أتوك تنسكوا

۸۹ترجمہ:

وإذا خلوا فهم ذئاب خفاف

شبلی کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ بمبئی کی کسی ایک مجلس میں اتنے ندوی اکٹھا ہوسکتے ہیں، آج ھندوستان کے ہر شہر میں ندویوں کی یہی یا اس سے بڑی تعداد ہے، اور اس میں شک نہیں کہ ندوی جہان بھی ہیں اپنے مقام وپیغام سے غافل نہیں ہیں، ،لیکن خوب سے خوب تر بننے اور بنانے کا امکان ھمہ وقت ہے، ہم ندویون کو اپنی جد وجہد مزید منظم کرنے کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں تین باتین میرے ذھن میں آرھی ہیں:

ایکتو یہ کہ ہم اپنے پروردگار سے رشتہ استوار کریں، نمازون کی کیفیت کی اصلاح کریں، بندگی کی منزلون میں ترقی کریں، خدا ترسی پیدا کریں، خود کو مہذب بنائیں، اخلاق کو سنواریں، صبر وحلم کی بلندیون کو پہنچیں، اقوام عالم ہم سے درس انسانیت وبندگی لیں، اور کائنات کی ہر شيء ہم میں انسیت کی بو پائے.

دوسری بات یہ ہے کہ جگہ جگہ، مسجدون میں، مرکزون میں، تعلیمی اداروں میں، اور گھرون میں قرآن کریم کے دروس کے حلقے قائم کریں، اس کتاب مقدس کی ہر آیت لوگوں تک پہنچائین، اس پیغام آسمانی میں کوئی لفظ زائد نہیں، کوئی ھدایت بے ضرورت نہیں، اور کوئی تعلیم غیر متعلق نہیں، یہ کتاب اتنی قیمتی ہے کہ اس نے دنیا کو کسی نئے پیغمبر سے مستغنی کردیا، اس کے نصوص اس قدر محکم ہیں کہ اس نے

صرف انسانی شرائع وقوانین کو نہیں بلکہ تمام آسمانی صحیفوں اور کتابوں کو منسوخ کردیا.

تیسری بات یہ ہے کہ جزئیات اور فروعی مسائل میں نہ الجھیں، ان کے تئین لچک پیدا کریں، اگر کسی عالم کی کوئی بات جو ہمارے نزدیک مرجوح ہو امت کو متحد کرسکتی ہے تو ہم اپنی آراء وافکار کو اس اتحاد کے لئے قربان کردیں، بات بات پر اختلاف کرنے کی عادت سے پرہیز کریں. (واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا)، (فأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة واعتصموا بالله هو مولاكم فنعم المولى ونعم النصير)، (وأطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا إن الله مع الصابرين).

بھیونڈی میں

فتاوی علماء الہند

کل بمبئی میں ابنائے ندوہ کے پروگرام میں مولانا محمد اسامۃ شمیم ندوی صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فتاوی علماء الہند کی پہلی جلد عنایت کی، یہ ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل، حوصلہ مند اور طویل المیعاد پروجکٹ ہے، جس میں گزشتہ دو صدیوں کے ھندوستانی علماء اور مفتیان کرام کے فتاوی جمع کئے جا رہے ہیں، اور تقریبا ٦٠ جلدوں میں یہ پروجکٹ پایہ تکمیل کو پہنچے گا، اب تک اس کی تین جلدیں شائع ہوئی ہیں، اور پہلی جلد کا عربی اور انگریزی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے، پروجکٹ مشہور عالم وفقیہ مولانا انیس الرحمن صاحب قاسمی کی سربراہی، اور مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی کی نگرانی میں علماء کی ایک ٹیم کی کوششوں کا رہیں منت ہے، گلوبل پیس آرگنائیزیشن بمبئی اس پروجکٹ کو مالی امداد فراھم کر رھا ہے، اس عظیم کام کی جہان علمی وفقھی قیمت ہے، وہیں اس کی تاریخی اھمیت بھی ہے، اس سے بیک نظر اندازہ ھوسکے گا کہ حالات اور زمانہ کی تبدیلی سے فقہاء کی سوچ کس طرح متاثر ہوتی تھی، اور فتوی دیتے وقت وہ اپنے ماحول کو کس طرح مد نظر رکھتے تھے، اور ایک ھی عہد کے فقہاء ومفتیان کرام کے درمیان اختلاف کی اسباب ووجوہ بھی معلوم کرنے میں آسانی ھوگی.

تا ہم اس کوشش کا نقصان وہی ہے جو ھمیشہ اس طرح کی کوششوں کا ھوتا رھا ہے، اندیشہ ہے کہ نا عاقبت اندیش، پست ھمت اور علم وفقہ کی حقیقت سے کم واقف اسے ایک مرجع کی حیثیت سے استعمال کریں گے، قرآن وسنت کی طرف رجوع کا خیال کہاں سے آئے گا وہ ائمہ متقدمین اور فقہائے محققین کی کوششوں اور کتابوں سے بھی استفادہ کی کوشش نہیں کریں گے. بہر حال ہم اس پروجکٹ کا استقبال کرتے ہیں، اس کے ذمہ دارون کو مبارکباد دیتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ علماء اس کی قدر کریں گے اور اس کا صحیح استعمال کریں گے.

بھیونڈی میں کئی کام

آج ۳۱ جولائی کو بھیونڈی میں قیام ہے، اور کل یہان سے انگلینڈ کے لئے روانگی ہے، میں یہان ۲۹ جولائی کی شام ھی کو آگیا تھا، ۳۰ جولائی کو بمبئی کے پروگرامون کی وجہ سے یہان زیادہ ٹھہرنے کا موقع نہیں مل سکا، اسی لئے میں نے آج کا دن یہان کے لئے خالی رکھا تھا، بھیونڈی میں میرے بڑے والد، کئی چچا زاد، خالہ زاد اور ماموں زاد بھائی بہنین، اعزہ واقارب اور جان پہچان کے لوگ ہیں، سب سے ملاقات تو مشکل تھی، لیکن پھر بھی بہتون سے ملنا ہو سکا، میرے بڑے والد حافظ عبد اللطیف صاحب مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اور میرا خیال کرتے ہیں، ان کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کی، وہ ایک مسجد کی تعمیر جدید کی نگرانی کر رہے ہیں، ان کے

ساتھ اسے دیکھنے گیا.

میری بہن ماریہ

میری چچا زاد بہن ماریہ بمبئی یونیورسٹی سے انٹرنیشنل ریلیشن کے موضوع پر پی ایچ ڈی کر رہی ہیں، ان سے ان کے موضوع، اور ان کی مختلف علمی و تعلیمی و تحقیقی سرگرمیون کے متعلق کچھ گفتگو ہوئی، ان کی انگلش اچھی ہے، ان کا ایم فل کا مقالہ دیکھا جو انہوں نے انگلش میں لکھا ہے، بہت مرتب اور مدلل،

بھائی شہاب الدین

ماریہ کے چھوٹے بھائی شہاب الدین کنٹریکٹر ہیں، اور ان کی معقول آمدنی ہے، مجھ سے بہت بے تکلف ہیں، شہاب الدین سے بات کرنے میں دل لگتا ہے، شہاب الدین کو مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش کے تاریخی اور تفریحی مقامات کا اچھا علم ہے، اپنے دوستوں کے ساتھ ان جگھوں پر جاتے رہتے ہیں، چاہتے تھے کہ مجھے کچھ قریبی مقامات کی سیر کرائیں لیکن وقت کی تنگی سے ایسا ممکن نہ ہوسکا، آئندہ کسی سفر میں ان کے ساتھ برھانپور، گلبرگہ اور دولت آباد وغیرہ جانے کا ارادہ ہے.

بھائی تاج الدین

آج لنچ کی دعوت میرے چچا زاد بھائی تاج الدین عرف پپو کے یہان ہے، پپو ایک

کامیاب بزنس میں ہیں اور انہوں نے اپنے میدان میں پیش رفت کی ہے، اللہ تعالی ان کو مزید ترقیات وبرکات سے نوازے، ہم لوگ وہاں پہنچے تو ان کے خسر بھی وہاں موجود تھے، جو مجھ سے بہت عقیدت وخلوص سے ملے، وہ شاعر بھی ہیں، انہوں نے اپنے عمدہ اشعار سے ہماری ضیافت کی، کھانے کی متنوع اقسام اور لذیذ ڈشوں نے اشتہا میں اضافہ کردیا، لنچ کے بعد وہیں تھوڑی دیر کے لئے لیٹ گیا.

بھیونڈی میں سڑکوں کا حال

اس کے بعد کچھ ملاقاتوں کے لئے نکلا، بھیونڈی میں سڑکیں خستہ حال ونا ہموار، اور راستوں میں ہر طرف کیچڑ ہے، پیدل چلنا بہت دشوار ھوتا ہے، ایک طرف کپڑوں کو کیچڑ سے بچانا، دوسری طرف قدموں کو پھسلنے سے روکنا، اس عمل سے سلف کی متقیانہ زندگی کی یاد تازہ ھوگئی کہ کس طرح ان کی پوری زندگی کمال ورع وحذر میں گزرتی تھی، اللہ تعالی ہمیں بھی اس احتیاط کا کچھ حصہ عطا کرے، آمین.

بھائی افضل

آج میرے چچا زاد بھائی افضل نے وقت نکالکر مجھے بہت سے لوگوں سے ملوانے کی کوشش کی، افضل بھی ایک کامیاب بزنس میں ہیں، اللہ تعالی برکت عطا فرمائے،

مضطر اعظمی صاحب

بھیونڈی میں مقیم بڑے شاعر مضطر اعظمی صاحب سے ان کے گھر پر ملاقات کی، یہ راجہ پور سکرور اعظم گڑھ کے رہنے والے، اور میری بڑی والدہ کے ماموں زاد بھائی ہیں، مضطر صاحب (پیدائش ۱۹۳۴ ء) کا نام مقیم الدین اعظمی ہے، شبلی کالج اعظم گڑھ سے بی اے کیا ہے، بابری مسجد کی شہادت نے انہیں شاعر بنادیا، اب تک کئی دیوان شائع ہو چکے ہیں، مجھے اپنے تین مجموعہ ھائے کلام: الہام، شمار چھالوں کا، اور زخمون کی پکار ہدیہ کئے، انہوں نے اس نشست میں اپنی متعدد نظمین سنائین، خاص طور سے ترانہ شبلی کالج جو ان کی طاقتور نظمون میں سے ہے، پڑھنے کا انداز مؤثر ہے. الہام میں مکرمی جناب شمس الرحمن فاروقی صاحب کا ایک تاثر درج ہے جو مضطر صاحب کے کمال کی بڑی شہادت ہے:

"مضطر نے اعظمگڑھ اور شبلی کالج اور حجۃ الاِسلام علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ثنا میں جو اشعار کہے ہیں وہ دل کو چھوتے ہیں، ان کی غزل میں جذبات کی سادگی اور تجربے کی تازگی نے نیا لطف پیدا کردیا ہے. مضطر اعظمی نے شاھراہ عام سے بچنے اور اپنی راہ الگ نکالنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ انہوں نے نظم اور غزل دونوں میں ایسی روانی بیان اور خلوص فکر کو قائم رکھا ہے جو اعظمگڑھ کے شعراء کا طرہ امتیاز رہی ہے، علامہ شبلی سے لیکر یحیی اعظمی

اور پھر مضطر اعظمی تکتازہ گویوں کا ایک سلسلہ ہے"[۹۰].

مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب الہام کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"...ان کی شاعری زلف وگیسو، خال وخط اور رخ وعارض کی عامیانہ عشوہ طرازی، گل وبلبل کی حکایت اور آشیاں اور برق سوزاں کا افسانہ نہیں، بلکہ یہ شاعر کے محسوسات ومشاہدات اور قلبی واردات وکیفیات کا بیان ہے، جناب مضطر کا اصل سرمایہ سوز ودرد ہے، جن سے علیحدہ ہونا ان کو گوارہ نہیں، فرماتے ہیں:

اے سوز جگر، سوز جنون، سوز تمنا
ہم اپنے حلیفوں سے کنارا نہیں کرتے

دے گئے درد کی سوغات بہت دن گزرے
اب بھی زندہ ہیں وہ لمحات بہت دن گزرے

عمر بھر اپنا رہا ہے سوز غم سے واسطہ

---

۹۰ الہام ص ۵

اس کو آخر تک ہمارے دل میں رھنے دیجئے

اسی لئے جھوٹی اور سستی شہرت کے وہ خواھان نہیں، انہوں نے جو نقوش یادگار چھوڑے ہیں وہ دیر پا اور پائدار رہیں گے"[۹۱].

الہام میں ایک نظم حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال پر ہے، اور کئی نظمین مختلف شخصیات اور عصر حاضر کے سیاسی و سماجی حالات پر ہیں، یہان ان کے دیوان الہام سے چند منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

پھولوں سے ہم خوشبو لے لین ایسا تو ھو سکتا ہے
پھولوں سے ہم رنگ چرائیں ایسا تو نا ممکن ہے
ہونٹوں پر تالا بندی تو اکثر ہم نے دیکھی ہے
چہروں سے جذبات چھپائیں ایسا تو نا ممکن ہے

اسی باعث تو ہم کافر کو بھی کافر نہیں کہتے
نہ جانے کس گھڑی میں کس بشر کی آنکھ کھل جائے

---

۹۱ الہام ص ۹ اور ۱۰

سیاست میں کوئی بھی دیر تک مخلص نہیں رہتا
کیا جاتا ہے اکثر خون اپنے جان نثارون کا

کل تلک جو غاصبوں کے ساتھ تھا ہر موڑ پر
آج سارے دیش بھگتوں کا وہی سردار ہے

مجھکو معلوم ہے کہ تم کو نہیں مجھ سے عناد
بار گزرا ہے تمہیں میرا مسلمان ہونا

تعصب پر جہاں پابندیاں ہوتیں نہیں مضطر
وہاں بربادیوں کا راستہ ایجاد ہوتا ہے

مضطر صاحب کے ساتھ بڑی اچھی نشست رہی، اور دل ودماغ کو تفریح وسکون کا موقع ملا

مولانا حسان ندوی

مضطر صاحب کے گہر پر استاد محترم مولانا ابو العرفان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی مولانا حسان ندوی مد ظلہ سے ملاقات ہوئی، اور ان سے تھوڑی دیر گفتگو رہی،

مولانا صاحب علم وفضل ہیں اور بھیونڈی کو اپنے علم سے روشن کئے ہوئے ہیں.

مولانا عمران صاحب

اس کے بعد ہم مولانا ابو العرفان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے مولانا عمران صاحب سے ملنے گئے، مدرسہ دینیات میں عصر کی جماعت کھڑی ہونے والی تھی، وہ مسجد کے باہر ہمارا انتظار کر رہے تھے بہت تپاک سے ملے، ان سے پچھلی بار مولانا ابو العرفان رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں جونپور میں ملاقات ہوئی تھی، گزشتہ سال جب میں وطن میں تھا تو ان کے مدرسے کے ایک استاد کے واسطے سے فون پر بات ہوئی تھی. میں نے عرض کیا کہ آپ نماز پڑھ لین تو نشست ہوتی ہے، میں نے عصر کی نماز ظہر کے ساتھ جمعا پڑھ لی تھی، نماز کے بعد دوسرے ندوی اور غیر ندوی علماء بھی مجلس میں شریک ھوگئے، میں نے مولانا عمران صاحب کو اپنی کتاب (ندوہ کا ایک دن) کا ایک نسخہ دیا، اور جعفر بھائی کی کتاب (فکر ونظر) بھی پیش کی، مولانا ابو العرفان رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بات ہوتی رہی، میں نے عرض کیا کہ اگر آپ کے پاس مولانا کی تحریرین ہوں تو ان کے شائع کرنے کا اھتمام کریں، میں نے یہ بھی عرض کیا کہ مولانا برادر محترم عبد الحی ندوی کو اپنے مقالات املاء کراتے تھے شاید ان کے پاس کچھ مقالات ہوں ان کو بھی لیکر شائع کریں.

مولانا عمران صاحب بہت خوشدلی اور انبساط سے بات کرتے رہے، ان کے چہرے

پر کوئی تکان نہیں تھی، اور نہ کسی کمزوری کا اثر، اور نہ انہوں نے کسی مرض کا تذکرہ کیا، مجھے گاڑی تک بڑی محبت سے رخصت کرنے آئے، مگر افسوس کہ انگلینڈ واپسی پر اطلاع ملی کہ بروز سنیچر ۵ اگست کو مولانا کا انتقال ہوگیا، رحمۃ اللہ علیہ:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم وبہار آخر شد[۹۲]

کہتے ہیں آج ذوق جہان سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

اقبال بھائی

مولانا عمران صاحب کے مدرسہ میں بھیونڈی کی ایک سماجی شخصیت اقبال بھائی سے ملاقات ہوئی، جو میرے چچا زاد بھائیوں کے استاد ہیں، اور اس وقت بین المذاہب رواداری ویکجہتی کی مہم میں لگے ہوئے ہیں، حالیہ دنوں میں مشرق ومغرب میں اس طرح کی کوششوں میں بہت اضافہ ہوا ہے، ان میں ایک تو موقع پرستوں کی کوششیں ہیں جو ان کے ذریعہ حکومتوں اور دوسری قوموں سے ذاتی فائدے حاصل کرنا چاہتے

---

۹۲ ترجمہ

ہیں، اور ایسے لوگوں کی کثرت ہے، دوسرے ان مخلصین کی کوششین ہیں جو قوموں کے درمیان کشیدگی کو کم کرکے انسانی اقدار کو فروغ دینا چاہتے ہیں، اور حضرت مولانا علی میان رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقصد کے پیش نظر پیام انسانیت کا کام شروع کیا تھا، یہ کام وقت کی ضرورت ہے، اور امید ہے کہ اقبال بھائی مخلصین کو لیکر اس کام کو آگے بڑہائیں گے، اور اسے صحیح نہج پر کریں گے.

مولانا ندیم احمد ندوی

یہان سے نکلکر اپنے گاؤں کے مولانا ندیم احمد ندوی کے مکان پر گیا، جو ندوہ میں میرے شاگرد رہ چکے ہیں، اور اس وقت بھیونڈی میں ایک کامیاب کاروبار میں مشغول ہیں، میرے گاؤں کے علماء میں شاید ندیم سب سے زیادہ نیک ہیں، ان کے گھر پر گاؤں کے بہت سے لوگ جمع ہوگئے تھے اور اچھی اور بے تکلفانہ نشست رہی.

شام کا کھانا

شام کا کھانا اپنی ایک چچا زاد بہن کے یہان کھایا، میری ایک اور چچا زاد بہن بمبئی میں رھتی ہیں وہ بھی ملنے کے لئے آئین، اپنے بعض اقرباء سے آج کئی سالوں کے بعد ملاقات ہوئی تھی.

معجم الشیوخ کا مکمل نسخہ

آج شام کو جمشید ندوی سے دو بارہ ملاقات ہوئی، انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ نجم الدین ابن فہد کی مطبوعہ معجم الشیوخ کا نسخہ ناقص ہے، اس کا ایک مکمل نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے جس کی ڈیجیٹل کاپی ان کے پاس ہے، میرے لئے یہ ایک انکشاف سے کم نہیں تھا، کیونکہ میں سمجھ رہا تھا کہ مطبوعہ نسخہ مکمل ہے، میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ مطبوعہ نسخے میں جو تراجم نہیں ہیں میرے لئے ان کی کاپی کردیں، انہوں نے آج لاکر وہ صفحات دیئے، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے اور ان کے علم میں اضافہ کرے، جمشید کا ذھن تحقیقی ہے، میں نے ان سے درخواست کی کہ اکیڈمک کامون کے ساتھ بمبئی میں کسی جگہ درس قرآن شروع کریں، وہ کہنے لگے کہ روزانہ بھیونڈی سے بمبئی آنے جانے میں ان کا اچھا خاصا وقت ضائع جاتا ہے، یونیورسٹی سے ان کو فیملی کوارٹر مل جائے تو ان شاء اللہ یہ سلسلہ شروع کریں گے.

دن پھر کی تکان

آج کا دن بہت مشغول گزرا، بہت سے لوگ ملنے آگئے، بیٹھے بیٹھے تکان بڑھ گئی، اس پر فون کی کثرت، کچھ دیر کے لئے فون بند کرنا پڑا، شاید کچھ دوستوں کو شکایت ہو، لیکن امید ہے کہ میری مجبوری سمجھکر معاف فرمائین گے. کل انگلینڈ کا سفر ہے، خواھش تھی کہ جلدی سوجاؤن، پھر بھی بارہ سے زیادہ بج گئے.

آج اگست کی پہلی تاریخ ہے، اور میری انگلینڈ روانگی، سفرنامہ کی ایک اور قسط بن سکتی

تہی، لیکن میرے کرم فرما حیدرآباد کے معروف سماجی و تعلیمی کارکن پیر زادہ ساجد صاحب کا فرمان ہے کہ یہ سلسلہ تیئیسویں قسط پر ختم کردیا جائے:

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانہ میں

کیا مجال کہ کسی پیر اور پیر زادہ کی حکم عدولی کی جائے، خاص طور سے وہ پیر اور پیر زادہ جو مخلص و کرم فرما ہو:

ہم کو کیا معلوم کیا ہے رسم و راہ عاشقی
آپ لے آئے جہاں تک ہم وہاں تک آ گئے

اللہ تعالی اس سفر کو اور سفرنامہ کو قبول فرمائے، اور اپنی محبت و رضا نصیب کرے. آمین:

کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله النبي الكريم وأصحابه أجمعين.